جلد ۴ نمبر ۱۲

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف و ینہون عن المنکر و اولٰئک ھم المفلحون

اور چاہئے کہ تم میں سے ایک ایسی جماعت ہو جو نیکی کی طرف بلاوے اور بھلائی کا حکم کرے اور بدی سے منع کرے اور ایسے لوگ ہی ...

ایڈیٹر

صاحبزادہ حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب

Digitized by Khilafat Library

قیمت سالانہ عوام سے (عہ) دو روپیہ اور طلباء سے (عہ) ایک روپیہ آٹھ آنہ

رسالہ

تشحیذ الاذہان

قادیان

بابت ماہ ذی الحجہ ۱۳۲۷ ہجری

فہرست مضامین

مطابق ماہ دسمبر ۱۹۰۹ء

التماس ضروری صفحہ ۴۴۱ -	مینجر
سال آئندہ صفحہ ۴۴۲ -	ایڈیٹر
یاد مسیح صفحہ ۴۴۳ - ۴۴۴	ایڈیٹر
دین حق صفحہ ۴۴۵ - ۴۵۸	ایڈیٹر
تناسخ صفحہ ۴۵۹ - ۴۶۸	شیخ عبدالرحمن صاحب لاہوری
نجات صفحہ ۴۶۹ - ۴۸۵	ایڈیٹر

باہتمام حافظ عبدالرحیم صاحب مینیجر ماہ ذی الحجہ ۱۳۲۷ ہجری کو قادیان دارالامان سے شائع ہوا

فلاحت

رسالۂ فلاحت جسکی نسبت میں پہلے بھی کچھ لکھ چکا ہوں - امید ہے کہ انشاء اللہ جنوری میں شایع ہو جائیگا - میں پھر ایک دفعہ ناظرین کی توجہ اس طرف مائل کرتا ہوں - اسمیں کوئی شک نہیں کہ اس وقت ہندوستان کا ادبار زیادہ تر نئے علوم سے غفلت کی وجہ سے ہے صنعت و حرفت اور زراعت ہر ایک فن میں ہندوستانی علمی پہلو سے بالکل غافل ہیں ایسے وقت میں ایسے مفید اور قابل قدر رسالہ کا نکلنا غنیمت غیر مترقبہ سمجھنا چاہئے اور خوش قسمت ہیں وہ کہ جو اس قسم کے علمی کاموں میں حصہ لیں اور مددین بیں امید کرتا ہوں کہ ناظرین اس رسالہ کی خریداری سے اپنے باہمت ایڈیٹر اور فن زراعت کی تقویت کرینگے مجھے ذاتی طور پر معلوم ہوا کہ سردار صاحب نے زراعت کے فن میں اپنے علم سے فائدہ اٹھا کر جو کہ ہندوستان اور انگلستان میں آپ نے حاصل کیا ہے بہت سے ایسے قواعد مقرر کئے ہیں کہ سینکڑوں سے ہزاروں کی آمدن ہو سکتی ہے زمیندار صاحبان کو خاص طور سے توجہ کرنی چاہئے رسالہ کے خواہشمند سردار اسد اللہ صاحب زمیندار انعام آباد ڈاکخانہ اجنیانوالہ ضلع گوجرانوالہ کے نام خواستیں دیں

ریویو

ضرورت زمانہ

یہ کتاب ماسٹر عبدالرحمن صاحب نو مسلم کی تصنیف کردہ ہے اور واقعی بہت لطیف ہے میں نے اس کو پڑھا ہے اور میرے خیال میں ابتدائی واقفیت کے لئے یہ کتاب بہت مفید ثابت ہو سکتی ہے سوال و جواب کے رنگ میں چونکہ لکھی گئی ہے اسلئے طلباء کو سمجھنے میں بہت آسانی کی امید ہے اس کتاب میں بڑے بڑے سوالوں کو خوب اچھی طرح سے مختصر لفظوں میں حل کر کے لکھدیا ہے امید ہے کہ احباب اس سے ضرور فائدہ اٹھائینگے - اور چونکہ واقعی ضرورت زمانہ کے مطابق ہی یہ کتاب لکھی گئی جیسے کہ سب جانتے ہیں کہ آجکل کفر و بدعت کا کس قدر جوش ہے اس لئے اس کا پڑھنا اور پڑھانا بہت مفید ہو سکتا ہے :-

مرزا بشیر الدین محمود احمد (ایڈیٹر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

التماس ضروری

جن احباب کی خدمت میں یہ پرچہ بطور نمونہ بھیجا گیا ہے اُن کی خدمت میں باادب التماس ہے کہ برائے مہربانی وہ بہت جلد اس پرچہ کی خریداری کی اطلاع دفتر میں بھیجدیں۔ اور اگر کسی وجہ سے خریداری نامنظور ہو تو بہت جلد ایک پوسٹ کارڈ کے ذریعہ سے اطلاع دیں تاکہ رسالہ کو زیر باری نہ اٹھانی پڑے۔ جن صاحبان کی طرف سے کوئی اطلاع نہ ملے گی اُن کی خدمت میں جنوری کا پرچہ وی پی کیا جائے گا۔

نوٹ :۔ خریداران رسالہ کی خدمت میں بھی آیندہ پرچہ برائے وصولی قیمت ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۱۰ء بذریعہ وی پی ارسال ہوگا۔ کیونکہ سال رواں اس پرچہ کے ساتھ ختم ہوتا ہے۔ جو احباب وی پی کے لیئے تیار نہ ہوں وہ فی الفور خاکسار کو مطلع فرماکر ممنون فرمائیں۔ تاکہ کسی قسم کا حرج نہ ہو۔

منیجر رسالہ تشحیذ الاذہان

قادیان دارالامان۔

سال آیندہ

خدا کا شکر ہے کہ یہ سال کامیابی کے ساتھ گذر گیا۔ آیندہ کے لیئے انتظام اور بھی پختہ کیا گیا ہے اور امید ہے کہ خدا کے فضل سے ناظرین کی تسلّی کا باعث ہوگا۔ ہم مختصر طور سے ناظرین کی دلچسپی کے لیئے اس موقعہ پر یہ لکھدینا مناسب سمجھتے ہیں کہ آیندہ سال انشاء اللہ ہر ایک پرچہ میں ایک مضمون مخالفین اسلام کے اعتراضات کو مدّ نظر رکھکر اُنکے جواب میں ہوگا اور دیگر بہت سے لطیف مضامین جو اُمید ہے کہ عام طور سے مفید ثابت ہونگے۔ مثلاً ایک مضمون خلقِ مادہ پر ہوگا جس میں کہ خوب مفصل طور سے قرآن شریف کا اس بارہ میں دعویٰ اور پھر قرآن شریف سے ہی دعوے کے دلائل اور پھر وید کی اس معاملہ میں رائے بیان کی جائے گی اور اسکے علاوہ جو اعتراض مادہ کو مخلوق ماننے کے عقیدہ پر کیئے جاتے ہیں اُنکا جواب دیا جائیگا اور سب کے آخر میں یہ بیان کیا جائے گا کہ مادہ کو انادی ماننے کیا کیا نقائص پیش آتے ہیں اس مضمون کے علاوہ ایک مضمون انشاء اللہ حفاظت قرآن پر ہوگا جسمیں اُن اعتراضات کا جواب دیا جائیگا کہ جو اِس سال آریہ مسافر جالندھر میں حفاظت قرآن پر کیئے گئے ہیں اور تیسرا مضمون زردشتی مذہب پر ہوگا کہ جس سے ہندوستان کے اکثر لوگ ناواقف ہیں وغیرہ وغیرہ پہلا مضمون امید ہے کہ انشاء اللہ فروری یا مارچ کے پرچہ میں شروع ہو جائے گا اور باقی دو اسکے بعد۔ وما توفیقی اِلّا باللّٰہِ العلی العظیم۔

(ایڈیٹر)

یادِ مسیحؑ

یہ دو یادداشتیں اور چند شعر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کاپی سے ناظرین کی دلچسپی کے لئے رسالہ میں درج کئے گئے ہیں خدائے تعالیٰ نے توفیق دی تو انشاء اللہ کبھی کبھی آیندہ بھی درج کرتے رہیں گے۔ (ایڈیٹر)

(۱) خدائے تعالیٰ کی حدود کو توڑنا سخت بے ایمان کا کام ہے۔ خدا ترس انسان کو اگر کوئی شخص گناہ کی طرف رغبت دے جیسا کہ زلیخا نے یوسف کو دی تو وہ بھی کہے گا۔ مَعَاذَ اللّٰہِ اِنَّهٗ رَبِّیۡۤ اَحۡسَنَ مَثۡوَایَ اور دانشمند خدا کے مخالف کیونکر بدی میں پڑ سکتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے۔ کہ ایسے محسن کے احسانات کا لحاظ نہ رکھنا اور اسکو ناراض کرنا سخت بدذاتی ہے۔ علاوہ اسکے وہ قادر ہے۔ کہ ایک ہی رات میں اندھا کر دے یا مجذوم کر دے یا کوئی ایسی درد انگیز بیماری لگا دے کہ دن رات چلّانا کام ہو اور زندگی جہنمی بن جائے۔

(۲) انسان کے اخلاص کی ایک یہ بھی نشانی ہے۔ کہ وہ حاضر اور غائب اور غضبناک اور حلیم ہونے کی حالت میں ادب سے باہر نہ جاوے اور اپنے احباب کا اس طرح پر ذکر کرے۔ کہ جس طرح وہ ان کے حضور میں ذکر کرتا ہے۔ کیونکہ یہ منافق اور منکر کی نشانی ہے۔ کہ دورنگی اختیار کرے اور ایسا آدمی اُس پانی سے مشابہ ہے۔ جس کے نیچے بہت سا گوبر ہو۔ اور ادنےٰ تغیر سے وہ گوبر اوپر کی سطح میں آجاوے۔

اشعار

کیسے کافر ہیں مانتے ہی نہیں ⁂ ہمنے سو سو طرح سے سمجھایا
اس غرض سے کہ زندہ یہ ہوویں ⁂ ہمنے مرنا بھی دل میں ٹھرایا
بھر گیا باغ ابتو پھولوں سے ⁂ آؤ بلبل چلیں کہ وقت آیا

از طمع جستیم ہر چیزے کہ آں بیکار بود
خود فزو کردیم ورنہ اندکے آزار بود

تو خواہی خسپ یا خود مردہ می باش ⁂ کہ برما نیست خبر ہشیار کردن
فضولی باشد اندر وقت مستی ⁂ حدیث مردم ہشیار کردن
فضولی ہست با گیسوے مشکیں ⁂ حدیث از تبت و تار تار کردن
پس از مردن شود ملامت اے یار ⁂ خلافِ رائے سلطاں کار کردن
کمر بستن برائے خدمتِ بُت ⁂ نشانش بریدن زنار کردن
نکردی خوب اے نامہرباں یار ⁂ پس از اقرارہا انکار کردن
فضولی ہست پیشِ روئے آں یار ⁂ حدیث از گلبنِ پُرخار کردن
رہ نیکاں گرفتن ہمچو نیکاں ⁂ نہ فکر باطل استغفار کردن
بالفاظ سخن چسپیدن از جہل ⁂ نہ فکر اندر تہ اسرار کردن
بخوابِ موت آں شخصے کہ خسپید ⁂ نمی برخیزد از بیدار کردن
سر از فرماں آں حاکم مبردار ⁂ کہ دارد قدرتِ بر دار کردن
بباید جست از مردانِ حق دین ⁂ نہ میل و طمع در و دینار کردن
بگوری ہر چہ ماند غیر معلوم ⁂ سورلش از اولی الابصار کردن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ھو النّاصر

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

دینِ حق

اسوقت جو میں یہ مضمون لکھنے لگا ہوں اس سے میری یہ غرض نہیں کہ کسی مذہب کی بُرائی بیان کروں یا کسی فرقہ کے اصول پر نکتہ چینی کروں یا کسی گروہ کی عیب گیری کروں یا کسی جماعت کی کمزوری آشکار کروں یا کسی سلسلہ کے نقائص پر روشنی ڈالوں بلکہ اس مضمون سے میری غرض اور منشاء اور ارادہ اور خواہش اور تمنا اور مدعا یہ ہے اور صرف یہی ہے کہ طالبان حق کے سامنے اُس سچائی اور حقیقت اور معرفت اور روشنی اور نور کو ظاہر کروں جو ایک مردہ کو زندہ کرتا ہے اور اندھے کو آنکھیں بخشتا ہے اور بہرے کو کان عنایت کرتا ہے اور بیمار کو شفا دیتا ہے اور جو بحرِ گناہ میں ڈوبنے والے کو قعرِ ضلالت سے نکالکر صداقت کے سورج کی تپش میں لا بٹھاتا ہے اور اندھے کوئیں میں گرے ہوئے انسان کو معرفت الٰہی کے پہاڑوں کی بلند چوٹیوں پر لاکر کھڑا کر دیتا ہے۔ اور وہ اسلام ہے کہ جسکی بدولت ہزاروں نہیں لاکھوں وحشی درندوں سے انسان اور انسان سے باخدا انسان بن گئے۔ یہی وہ چشمہ ہے کہ جس سے بے انتہا مخلوقات نے نہ صرف اپنے گلوں کو تر کیا اور شدتِ پیاس کو بُجھایا بلکہ اپنے عزیزوں اور کنبہ داروں او

قریبیوں اور دوستوں اور آشناؤں اور واقفوں کو بھی سیر کیا اس پاک مذہب کے دسترخوان پر جو بیٹھا اُسنے انعامات الٰہیہ کے لطیف اور لذیذ کھانوں کو چکھا ہی نہیں بلکہ اُن سے سیر ہوا۔ غرض لاکھوں نہیں کروڑوں نے اس مذہب میں داخل ہو کر اپنی زندگی کا اصل مدعا پا لیا اور اُس خالق حقیقی کے بے انتہا فیوض و برکات سے حصہ لیا کہ جنکو طالبانِ حق اپنے مال اپنی جان اپنی عزت اپنی آبرو اور اپنی بڑائی سے بھی زیادہ عزیز رکھتے ہیں اور جن کی خواہش میں لاکھوں باصفا انسان دنیا وَ مافیہا کو چھوڑکر دیوانہ وار پھرتے ہیں۔

یہ بات ظاہر ہے اور ایک شخص اسے سمجھ سکتا ہے کہ سچّا مذہب وہی ہے جو خدائے تعالیٰ تک مخلوق کی رہنمائی کرے اور اُس درمیانی پردہ کو اُٹھا دے جو عابد و معبود میں حجاب کا کام دیتا ہے۔ اور اپنے اندر ایک ایسی طاقت رکھتا ہو کہ اُن تمام رکاوٹوں کو جو انسان اور خدا کے درمیان حائل ہوں دُور کردے اور اپنے ماننے والے کو گناہوں سے نکالکر نیکی اور تقویٰ کے دریا میں غوطہ دے اور کمزور انسانوں کو ایسی طاقت عنایت کرے کہ وہ شیطان کے پنجہ سے بالکل نکل جائیں اور اُسکا اُنپر کوئی تسلط نہ رہے اور اُن کے دلوں میں رُعب حق اسقدر بٹھائے کہ وہ گناہوں کے پھندوں کو مکڑی کے جالوں کی طرح توڑ پھوڑکر آزادی کی ہوا کھانے لگیں اور خدائے تعالیٰ کی محبت اور عشق کو اُنکے قلوب میں ایسا قایم کردے کہ گویا انسان ہر وقت خدائے تعالیٰ کی معرفت میں ڈوبا ہوا ہو اور نورِ ایمان کی روشنی سے اُسکی زیارت میں مشغول ہو اور صفائیِ باطن کی آنکھوں سے اُسکو دیکھ رہا ہو اور مخلوق کو خدائے تعالیٰ میں ہو کر مشاہدہ کرتا ہو اور ہمدردی بنی نوع ہر گھڑی اُس کے مدِّ نظر ہو غرض کہ فنا فی اللہ ہو جائے اور وہ زندگی اُسکو نصیب ہو کہ وہ

ہر ایک چیز کو اپنی آنکھوں سے نہیں بلکہ خدا کی آنکھوں سے دیکھے۔

اور جو مذہب ایسا نہ کرتا ہو اور اُس میں یہ طاقت ہی نہ ہو کہ وہ انسان کو جو ہر وقت محبت کی تلاش میں رہتا ہے خدا کی دائمی محبت کے چشمہ سے پانی پلائے اور اُس سوزِ فراق کو جو محب کو اپنے محبوب کی جدائی میں ہوتا ہے وصل کی ٹھنڈک سے سرد کرے اور طالب کو مطلوب کا پتہ دے اور گمراہ کو ہدایت دے اور بھولے بھٹکوں کو راہ پر لائے اور طالبانِ دید کو معرفت تامہ کی آنکھوں سے خدائے تعالیٰ کا دیدار کرائے اور اُس سچی صفات کو بیان کرکے مخلوق کے دلوں میں اُنکی محبت کا ایک ولولہ پیدا کر دے اور ایک ایسی آگ لگا دے کہ جو دلوں کو پھونک دے اور سینوں کو جلا دے اور دنیا و مافیہا کو خاک کرکے خدا ہی خدا کا جلوہ انسان کی آنکھوں میں ظاہر کرے اور دنیا کے سامنے وہ تجاویز پیش کرے کہ جن سے فساد دُور ہوں اور دشمنیاں جاتی رہیں اور کینہ اور بُغض کی آگ بھسم ہو جائے۔ اور بنی نوع انسان کے لیے وہ امن کا دروازہ کھولدے کہ جس سے اُنپر انعامات و کرامات الٰہیہ کی ہوائیں خوشگوار رنگ میں محبت کی خوشبو کو ساتھ لیئے ہوئے چلیں اور وہ اپنے کانوں سے اُس محبوب حقیقی کی شیریں آواز کو سُنیں کہ جس کی ملاقات کی تڑپ مخلوقات کے دلوں میں روزِ ازل سے لگی ہوئی ہے تو ایسا مذہب جھوٹا ہے اور وہ قطعاً خدا کی طرف سے نہیں کیونکہ اُس میں اُس بارِ یگانہ کی طرف سے کوئی نشان موجود نہیں۔ وہ مردہ ہے اُسکو اختیار کرکے کوئی کیا کرے کیونکہ وہ انسان کو خدا سے ملاتا نہیں بلکہ دُور کرتا ہے اور بنی نوع انسان کی حفاظت نہیں کرتا بلکہ اُسکو مصیبت میں ڈالتا ہے اور خود اُس کے پیرووں کو اُسکی حفاظت کرنی پڑتی ہے۔

پس اس کھلے اور صاف معیار کو مدِ نظر رکھتے ہوئے دیکھتے ہیں تو اسلام
کے سوا اور کوئی مذہب اسپر پورا نہیں اترتا۔ کیونکہ اسلام قشر نہیں بلکہ ایک خوش
ذائقہ مغز ہے اور مردہ نہیں بلکہ زندہ ہے اور نہ صرف خود زندہ ہے بلکہ
دوسروں کو بھی زندہ کرتا ہے اور اسکا ثبوت اسکے اصولوں کو دیکھنے سے خوب
مل سکتا ہے چنانچہ قرآن شریف اور احادیث کو دیکھنے سے ہزاروں نہیں بلکہ
لاکھوں کروڑوں دلائل اس مذہب کی سچائی کے ملتے ہیں جو سورج سے زیادہ
روشن ہیں اور ستاروں سے زیادہ چمکتے ہیں اور چاند سے زیادہ منور
ہیں اور جنکے حسن کو دیکھکر لاکھوں آدمی پروانہ کی طرح فدا ہوئے اور ہوتے
ہیں اور ہوں گے۔ مگر چونکہ اس مضمون پر مفصل لکھنا ایک بڑے وقت کو
چاہتا ہے اور اُسکے علاوہ اس رسالہ میں اُسکی گنجایش بھی نہیں ہوسکتی اسلئے
مَیں اس موقعہ پر سورۃ فاتحہ سے مختصر اکچھ باتیں اخذ کر کے یہاں لکھوں گا۔
ہاں امید کرتا ہوں کہ خدائے تعالیٰ کا فضل شامل حال رہا تو آیندہ اس رسالہ
میں اس قسم کے مضامین جو صرف اسلام کی صداقت ثابت کرنے والے
ہوں دیتا رہوں گا۔

سورۂ فاتحہ جسپر میں اسوقت کچھ لکھنا چاہتا ہوں قرآن شریف کی
سب سے پہلی سورۃ ہے یا یوں کہنا چاہیئے کہ یہ قرآن شریف کا خلاصہ ہے اور وہ
تمام معارف جو کُل قرآن میں مفصل کر کے بیان کیئے گئے ہیں اسمیں اجمالاً
بیان ہیں۔ اور چونکہ خدائے تعالیٰ غیر محدود ہے اس لیئے اُسکے کلام میں بھی غیر
محدود ہی معانی ہوتے ہیں چنانچہ اس سورۃ میں جو جو معانی ہیں انپر پورے
طور سے احاطہ کرنا تو ایک انسان کی طاقت سے باہر اور محال ہے ہاں فکر ہر کس
بقدر ہمتِ اوست۔ جسقدر کسی کو نورِ قلب عطا ہوا ہو اور جسنے جسقدر تلاش

کی ہو اور اس کوچہ میں کوشش کی ہو وہ اسیقدر فائدہ حاصل کر لیتا ہے چنانچہ اس سورۃ میں خدائے تعالیٰ کے وجود اور پھر اُسکے کلام نازل کرنے اور اسلام کی سچائی کا بڑی وضاحت سے ذکر ہے مگر چونکہ اس موقعہ پر میرے مخاطب وہی لوگ ہیں جو کہ خدائے تعالیٰ کے وجود کے قائل مگر اسلام کے منکر ہیں اسلئے مَیں وہی ثبوت پیش کروں گا جن سے عزت قرآن ثابت ہو۔ اور اس سے پہلے مَیں وہ آیات نقل کر دینی مناسب سمجھتا ہوں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ

چنانچہ جیساکہ مَیں پہلے لکھ چکا ہوں کہ سچا دین وہی ہو سکتا ہے کہ جسمیں خدائے تعالیٰ کے اور مخلوق کے تعلق کو مضبوط کیا جائے یعنی وہ مذہب اس پر محبت اور روحانیت سے بھری ہوئی باتیں بتائے کہ جنسے مخلوق کو خود بخود خدائے تعالیٰ سے محبت پیدا ہو اور علاوہ اسکے باقی مخلوقات پر رحم کرنے کا مادہ پیدا ہو۔ اور ایسا مذہب اپنے اندر کچھ نشانی بھی رکھتا ہو۔ اسلام نے ہر ایک پہلو کو خوب واضح کیا ہے۔ چنانچہ اول ہی بات جو اس سورۃ میں بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ انسان کو سکھایا گیا ہے کہ وہ خدا جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے وہ ربّ العالمین ہے اور اس قابل اور لائق ہے کہ اُس کی حمد کیجائے۔ چنانچہ یہ بات ہر ایک عقلمند پر ثابت ہے کہ محبت کے دو ہی طریقے ہیں ایک حُسن دوسرا احسان سو اس آیت میں خدائے تعالیٰ نے دونوں پہلوؤں کو لیا ہے اور بتایا ہے کہ اسلام کا خدا وہ ہے کہ جو ہر ایک چیز کا ربوبیت کرنیوالا ہے اور اُسے اپنے حدود کے اندر بتدریج ترقی دینا اور بدرجۂ کمال تک پُہنچاتا ہے چنانچہ ہم جب دنیا پر نظر کرتے ہیں تو ہر ایک چیز میں اس صفت کا جلوہ دیکھتے ہیں اور ایک رائی کے دانہ سے لیکر بڑی سے بڑی چیز تک یہی صفت اپنا کام کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے مثلاً انسان کو

ہی دیکھو ایک وقت ایسا ہوتا ہے کہ یہ ایک نطفہ کی طرح ہوتا ہے اور اسکو ننگی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے بلکہ بغیر مائکراسکوپ کی مدد کے اسکا دیکھا جانا بالکل ناممکن ہوتا ہے پھر اُس حالت سے نکل کر جب یہ رحم مادر میں داخل ہوتا ہے تو ایک عرصہ گذرنے کے بعد اُس نطفہ کی شکل ایک منجمد خون کی سی ہوجاتی ہے اور جب ایک مدت اور اسپر گذر جاتی ہے تو وہ ایک بوٹی کی شکل اختیار کرلیتا ہے اور اسکے بعد اُس میں ہڈی کا مادہ پیدا ہوجاتا ہے اور اُسپر گوشت چڑھ جاتا ہے اور اسکے بعد اذنِ الٰہی کی ایسی ہوا اُسپر چلتی ہے کہ وہی بے جان چیز زندہ ہوجاتی ہے اور خدائے تعالیٰ کے عظیم اور بے پایان فیوض کو حاصل کرنیکے لیئے تیار ہوجاتی ہے اور اسوقت اُس کی حالت میں پہلی حالت سے زمین و آسمان کا فرق پیدا ہوجاتا ہے چنانچہ اسی ربوبیت کی طرف اشارہ ہے حضرتِ احدیت کا کہ ولقد خلقنا الانسان من سلسلۃٍ مّن طین ۞ ثمّ جعلنٰہ نطفۃً فی قرارٍ مّکین ۞ ثمّ خلقنا النطفۃ علقۃً فخلقنا العلقۃ مُضغۃً فخلقنا المضغۃ عظاماً فکسونا العظام لحماً ثمّ انشأنٰہ خلقاً اٰخر فتبارک اللہ احسن الخالقین - چنانچہ یہ آیت اسی صفتِ ربوبیت کی تشریح میں خدائے تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے کہ ہم اس قسم کی ربوبیت کرنیوالے ہیں کہ ایک ذرا سی ناچیز چیز کو جو لیتے ہیں تو اپنی صفتِ ربوبیت کام میں لاکر کہاں سے کہاں تک پہنچا دیتے ہیں چنانچہ وہ اجزا جو مٹی میں تھے ہم نے اُنکو نطفہ اور علقہ اور مضغہ اور پھر ہڈی اور گوشت کی شکلوں میں تبدیل کرتے ہوئے آخر اپنی صفتِ ربوبیت کو یہانتک وسیع کردیا کہ وہ بیجان چیز جاندار ہوگئی اور ایک نئی ہی مخلوقات بنگئی پس اللہ تعالیٰ کی کیسی کیسی برکات ہیں کہ جن سے ایسی ایسی اعلیٰ درکامل مخلوقات پیدا ہوتی ہے - غرضکہ یہ تو انسان

کی ایک مثال ہے ہر ایک چیز دنیا کی اس صفت کے ماتحت ترقی کر رہی ہے اور غور کرنیوالے انسان کے لئے کثیر نفع کا باعث ہو سکتی ہے۔ چنانچہ ہم ایک بڑ کو دیکھتے ہیں کہ اسکا بیج ایک رائی کے دانہ کے برابر ہوتا ہے مگر جب خدائے تعالیٰ کی صفت ربوبیت کے ماتحت آتا ہے اور بڑھنا شروع ہوتا ہے تو وہی رائی کے برابر دانہ اتنے بڑے درخت کی شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے کہ سیکڑوں آدمی اُسکے سایہ کے نیچے آرام کرتے ہیں غرضکہ کوئی چیز ہو بے جان ہو کہ جاندار بڑی ہو کہ چھوٹی۔ ٹھوس ہو کہ سیال سخت ہو کہ نرم خدائے تعالیٰ کی صفت ربوبیت کے نیچے اپنا کام کر رہی ہے اور اگر ایک دم بھی وہ صفت اپنا کام چھوڑ دے تو یک لخت سب کارخانہ برباد ہو جائے۔ چنانچہ سورج سے لیکر شہاب ثاقب تک اور پہاڑ سے لیکر ذرہ تک اور ہاتھی سے لیکر ایک مچھر تک ہر ایک چیز اور مخلوقات کا ایک ایک جزلا یتجزا اُسکی ربوبیت کے نیچے ہے اور ہر جگہ پر اور ہر مقام پر اُسکی یہ صفت اپنا کام کر رہی ہے تو پھر ایسا خدا جو اسقدر کامل ہے اور اپنی اس صفت کی وجہ سے نہ صرف حُسن بلکہ احسان میں بھی بے نظیر ہے کہ جسکا مقابلہ کوئی ہستی نہیں کر سکتی تو پھر اُس خدا کی حمد نہ کیجائے تو اور کس کی حمد کرنے پر انسان کا دل مائل ہو سکتا ہے۔ پس الحمد للہ رب العالمین میں خدائے تعالیٰ نے اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ دنیا کی ہر ایک چیز پر نظر ڈالکر دیکھلو کہ وہ میری صفت ربوبیت کے ماتحت چل رہی ہے اور کوئی چیز بغیر میری مدد کے قائم نہیں رہ سکتی اور کل حسنوں اور کل خوبیوں اور کل نیکیوں اور کل خوبصورتیوں اور کل احسانوں کا منبع میں ہی ہوں۔ اور میری ہی ذات سے یہ تمام کارخانہ چل رہا ہے اور میں نے صفت ربوبیت کے ماتحت ہر ایک چیز کو جو کہ ضروری ہے پیدا کر دیا ہے پس

باوجود اس خوبی اور حسن اور احسان کے کون ہے جو میری حمد سے دل چرائے
پس جیساکہ انسانی دل حُسن و احسان کو دیکھکر بے اختیار محبت سے بھر جاتا ہے
اس آیت کی تلاوت کے ساتھ ہی انسان کا دل خدا کی طرف جُھکتا ہے اور اُسکی
محبت جوش مارتی ہے اور ایک خود رفتگی پیدا ہو جاتی ہے اور وفور عشق
سے ایک ایسا سرور پیدا ہو جاتا ہے کہ جس سے انسان خدائے تعالیٰ کے
احسانات کے ذریعہ خود اُسکی ہی زیارت کر لیتا ہے اور دل منور ہو جاتا ہے
اور چونکہ ربوبیت ہر ایک چیز کو جو راستہ کی رُکاوٹ ہوتی ہے دُور کرتی ہے
اس لیئے ایسے شخص کے دل پر ربوبیت اپنا خاص پرتو ڈالتی ہے اور
وہ گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے اور اس کا دل ایک سکینت محسوس کرنے
لگتا ہے تو ایسے وقت خدائے تعالیٰ کی صفتِ رحمنیت اپنا اثر شروع کرتی
ہے اور وہ شخص جو ربوبیت کے اسرار پر واقفیت حاصل کر لیتا ہے خدائے تعالیٰ
کی طرف جھکتا ہے اور اُس کا عشق اُسکے دل میں بیٹھ جاتا ہے اور تمام دنیا
کے تعلقات توڑ کر وہ بس اُسی کا ہی ہو جاتا ہے اور ہر وقت اُسی کے ذکر
میں مشغول رہتا ہے ۔ پس جبکہ ایسی حالت اس کی ہو جاتی ہے تو خدائے
تعالیٰ فرماتا ہے کہ مَیں الرحیم بھی ہوں یعنی جو میری راہ میں کوشش
کرتے ہیں اُنکی خاص طور سے مدد کرتا ہوں چنانچہ فرمایا ہے کہ بالمؤمنین
رؤف رحیم اور ایک دوسرے موقعہ پر اسکی اور بھی تشریح کی ہے
کہ حق علینا نصر المؤمنین یعنی جب صفتِ ربوبیت سے انسان کا
دل خدا ہی کی طرف جُھک جاتا ہے اور اسکی رحمنیت کو دیکھکر وہ دنیا
سے قطع تعلق کر کے ہمارا ہی ہو جاتا ہے تو اُسوقت ہم اُسپر صفت رحیمیت
کا پرتو ڈالتے ہیں اور وہ ہمارے حضور میں محبوب ہو جاتا ہے اور اُسوقت

کے بعد اُسکی مدد اور دستگیری ہم پر فرض ہو جاتی ہے اور ہم اُسکو محبت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ہر میدان اور وادی میں اُس کو فتح دیتے ہیں اور اُس کے مخالفین کو ہلاک کرتے ہیں اور اُس کے دوستوں کو عزت اور اقبال دیتے ہیں اور جو کوئی اُسکا دشمن ہو وہ ہمارا دشمن ہو جاتا ہے اور ہماری غیرت اُس کے لیئے بہت بڑھ جاتی ہے۔ اور ہم اُسکے لیئے آسمان سے برساتے ہیں اور زمین سے نکالتے ہیں اور گویا یہ زمین و آسمان ہی نہیں رہتا بلکہ ایک اور زمین اور نیا آسمان ہم اُس کے لیئے پیدا کر دیتے ہیں اس کے بعد خدائے تعالیٰ نے مٰلك یوم الدین کی صفت بیان فرما کر بتایا ہے کہ جب وہ شخص ہمیں اسقدر پیارا ہو جاتا ہے تو پھر ہم اُسکی شان اور مرتبہ کے مطابق ایک فیصلہ کرتے ہیں کہ جس سے اُسکے مخالفین ہلاک ہو جاتے ہیں اور فتح و نصرت اُن لوگوں کے نام پر ہوتی ہے چنانچہ جیسا موقعہ ہو جسمانی طور سے خواہ روحانی طور سے اُنکو دنیا کا مالک بنا دیا جاتا ہے چنانچہ ایک اور جگہ پر فرمایا کہ الملك یومئذٍ للّٰہِ یحکم بینھم فالّذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰتِ لھم جنّٰت النعیم ۝ والذین کفروا وکذّبوا باٰیٰتنا فاولٰئك لھم عذابٌ مھین یعنی جب کہ انسان ترقی کرتا کرتا ہمارا پیارا ہو جاتا ہے تو ہم اُس کے اور اُسکے مخالفین کے لیئے ایک فیصلہ کا دن بناتے ہیں جس میں کہ ہم خاص طور سے اپنا جلال ظاہر کرتے ہیں اور اُنکے درمیان فیصلہ کرتے ہیں چنانچہ جو ہمارے نیک بندے کے احباب ہوتے ہیں وہ تو اُس دن بڑے امن اور چین کی حالت میں ہوتے ہیں اور مخالفین خائب و خاسر ہو کر غم و غصہ اور ناکامی اور ذلّت کی آگ میں جلتے ہیں اور یہ دنیا ہی اُنکے لیئے دوزخ ہو جاتی ہے۔

اور مومن اسی دنیا میں جنت کا مزہ چکھ لیتے ہیں چنانچہ فرمایا کہ لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون یعنی انکو نہ کچھ خوف رہتا ہے اور نہ غم اور وہ خدائے تعالیٰ کی عنایات کا خوشگوار پھل کھاتے ہیں اور اسی کی طرف اشارہ ہے کہ بہشتی کہیں گے کہ ھذا الذی رزقنا من قبل یعنی یہ مزہ تو ہم دنیا میں بھی کامیابی کے رنگ میں چکھ چکے ہیں جو کہ اب کرکمل طور سے اُٹھایا ہے میں۔

غرضکہ ان آیات میں خدائے تعالیٰ نے اوّل تو اپنی کُل صفات کا اجمالاً ذکر کیا ہے کیونکہ اللہ کا لفظ ہی اُن تمام صفات پر دلالت کرتا ہے جو کہ خدائے تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں اور جو ہر قسم کی نیکی پر مشتمل ہیں اور ہر قسم کی بدی سے مبرّا ہیں جیساکہ قرآن شریف میں مختلف جگہ پر آتا ہے کہ ان اللہ توّاب حکیم اور ان اللہ رؤف رحیم سورہ نور میں۔ ان اللہ سمیع علیم انفال میں۔ اور ان اللہ سمیع بصیر حج میں ان اللہ شدید العقاب بقرہ میں ان اللہ علّام الغیوب توبہ میں۔ ان اللہ غفور رحیم مایٔدہ میں۔ ان اللہ عفوٌ غفور مجادلہ میں۔ ان اللہ لھو الغنی الحمید۔ ان اللہ ھو الرزّاق ذاریات میں۔ ان اللہ لقویٌ عزیز حج میں۔ اللہ یحیی ویمیت آل عمران میں۔ اور پھر الملک القدوس السّلٰم المؤمن المھیمن العزیز الجبّار المتکبر اور ھو اللہ الخالق البارئ المصور لہ الاسماء الحسنیٰ حشر میں۔ غرضکہ اوّل تو لفظ اللہ میں اجمالاً اور پھر ربّ العٰلمین الرّحمٰن الرّحیم مٰلک یوم الدّین ذرہ کھولکر وہ تمام خوبیاں بیان کردی گئی ہیں کہ جو اللہ کی ذات میں پائی جاتی ہیں اور

کُل بدیوں سے اُسے مبرّا کر دیا ہے سو جیسا کہ مَیں پہلے بیان کر چکا ہوں
سچے مذہب کی نشانی یہ ہے کہ وہ انسان کو خدائے تعالیٰ سے محبت پیدا
کرائے نہ کہ نفرت سو الحمد للّٰہ ربّ العالمین الرحمٰن الرحیم ملک
یوم الدین سے بڑھکر اور کوئی راہ نہیں کہ انسان کو خدا سے تعلق
پیدا کروایا جائے۔ کیونکہ انسان فطری طور سے ایسا محبوب چاہتا ہے
کہ جو خوبصورت اور خوب سیرت ہو اور کوئی مذہب نہیں جس نے خدا
کو ایسا پاک اور پیارا اور محسن دکھایا ہو جیسا کہ اسلام نے بتایا ہے
اور چونکہ وہ ہستی جس نے اس کارخانہ کو اس خوبی سے چلا ہوا ہے
سب سے زیادہ کامل چاہیئے اور سب صفاتِ حسنہ اُس میں پائی جانی
چاہئیں تا کہ وہ ناقص نہ رہ جائے اس لئے سچے مذہب کا فرض ہے
کہ وہ اُن تمام صفاتِ حسنہ کو پیش کرے اور خدائے تعالیٰ کو اصلی اور
سچے رنگ میں لوگوں کو دکھائے نہ کہ ایسے رنگ میں کہ ایک معشوق نہایت
خوبصورت ہو مگر اُسکی ناک کٹی ہوئی ہو یا اندھا ہو یا بہرا ہو یا کان
ندارد یا ہاتھ پاؤں سے عاری ہو کیونکہ اگر کوئی مذہب خدائے تعالیٰ کو
ایسے رنگ میں پیش کرے کہ اُس میں صفاتِ حسنہ کامل طور سے نہ پائی
جائیں یا یہ کہ اُس میں کسیقدر کمزوری رہ جائے یا بدی پائی جائے
تو ایسا مذہب بالکل جھوٹا ہے کیونکہ وہ نہ صرف خدا کو ناقص قرار دیتا
ہے بلکہ نقص کو مانکر چونکہ خدا کا حادث ہونا بھی ثابت ہوتا ہے اس لئے
قریباً خدا کا منکر ہی ہے۔ پس جیسا کہ ہم اوپر بتا آئے ہیں خدائے
جہان وجہانیان نے اسلام میں قرآن شریف میں اپنی صفاتِ حسنہ
آپ ہی بتائی ہیں کیونکہ وہ غیر محدود ہے اور اُسکی صفات کی کنہ اور

اصلیت کو سوائے اُسکے کوئی اور ہستی نہیں پہنچ سکتی کیونکہ اُسکے سوا سب چیزیں محدود ہیں اور جیسا کہ میں اوپر ثابت کر آیا ہوں ان مذکورہ بالا آیتوں میں اُنکا نچوڑ بیان فرمایا ہے اور کوئی نیک صفت نہیں جو کمال کو چاہتی ہو اور خدائے تعالیٰ میں اسلام نے ثابت نہ کی ہو مگر اس کے برخلاف دیگر مذاہب میں ایسا نہیں ہے اور اگر ہے تو یہ بار ثبوت ہمارے مخالفین پر ہے کہ اُنکی الہامی کتب نے بھی خدائے رحیم کی صفات پر ایسی روشنی ڈالی ہے اور اگر ایسا نہیں کیا اور میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ قطعاً ایسا نہیں کیا تو پھر جبکہ اُنہوں نے خدائے تعالیٰ کی اُن صفات کو جو انسان سے تعلق رکھتی ہیں بیان ہی نہیں کیا تو لوگ خدائے تعالیٰ کو سمجھ ہی کیا سکتے ہیں یعنی جبکہ اُنکو بتایا ہی نہیں گیا کہ خدائے تعالیٰ کون سی ہستی ہے اور اُس میں کونسی صفات پائی جاتی ہیں تو پھر انسان کو اُس سے تعلق پیدا کرانا کس طرح ممکن ہے ایک چیز جسکا زید کو علم ہی نہیں وہ اس سے محبت کیونکر کر سکتا ہے ہاں یہ ممکن ہے کہ ایک چیز ہی نہ ہو اور وہمی طور سے اُسکی ایک تعریف کر کے انسان اس سے محبت کرنے لگے جیسے بعض لوگ کیمیا سے۔ لیکن نہیں ہو سکتا کہ ایک چیز کو انسان جانتا ہی نہ ہو نہ وہمی طور سے نہ علمی طور سے اور نہ یقینی طور سے اور پھر اُس سے محبت بھی کرے اور تعلق پیدا کرنیکی کوشش کرے۔ پس جبکہ غیر مذاہب خدا کی صفات پر روشنی ڈالتے ہی نہیں اور اگر ڈالتے ہیں تو اُسکو نکٹا اندھا بہرا یا بے دست و پا بتاتے ہیں تو اسلام کے مقابلہ پر جو خدا کو کُل صفاتِ حسنہ کا متصف اور برائیوں سے مبرّا قرار دیتا ہے کیونکر ٹھہر سکتے ہیں۔ پس اصل اور سچی بات یہی ہے کہ سوائے اسلام کے اور

کوئی مذہب خدا کو اس رنگ میں پیش نہیں کرتا کہ اُس سے محبت ہو سکے بلکہ اُنکے پیش کردہ اصول کے مطابق خدا سے گھن آتی اور نفرت پیدا ہوتی ہو پس اسلام ہی ایک سچا مذہب ہے۔

اِسکے علاوہ انہی آیات سے ایک اور بھی بات نکلتی ہے جو کہ اسلام کی سچائی اظہر من الشمس کر دیتی ہے اور وہ یہ کہ الحمد للہ رب العلمین میں خدائے تعالیٰ نے اس طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ مَیں تمام عالموں کا ربّ ہوں یعنی خواہ کسی ملک کا باشندہ ہو یا کوئی زبان کا بولنے والا ہو یا کسی اخلاق سے ہی متصف ہو جیسے کہ سورج اور چاند اور دیگر ستارے اور پانی اور ہوا اور زمین اور آگ اور جمادات اور نباتات مَینے ہر قسم کے لوگوں کی ربوبیت کے لئے پیدا کر دیئے ہیں کسی قوم سے بُخل نہیں کیا کیونکہ مَیں ربّ العالمین ہوں سو اسی طرح صاف بات ہے کہ جب سب دنیا میری بنائی ہوئی ہے اور مَینے اُنکے لیئے جسمانی آسائیش اور آرام کے سامان مہیّا کیئے ہیں تو کیا اُنکی روح کے لیئے کچھ فکر نہ کرونگا سو جیسا کہ مَیں جسمانی عالم کا پرورش کرنیوالا ہوں ایسا ہی روحانی عالم کا بھی ہوں جیسا کہ فرمایا کہ قل ارئیتم ان اصبح ماؤکم غورًا فمن یّأتیکم بماءٍ مّعین ۰ یعنی ان سے کہو کہ اگر تمھارا پانی سوکھ جائے تو کون ستھرا پانی عنایت کرتا ہے یعنی جبکہ تمکو اس جسمانی زندگی کے لیئے پانی کی ضرورت ہوتی ہے اور جب ضرورت ہوتی ہے تو خدا نازل کرتا ہے تو کیا روحانی زندگی جو ابدی ہے اُسکے لیئے الہام الٰہی یا پانی نازل نہ کریگا۔ پھر دوسری جگہ فرمایا کہ قل الروح من امر ربّی یعنی کہدے کہ یہ الہام و وحی جو ہے یہ تو ربوبیت کی صفت کے ماتحت لازمی ہے اور ربوبیت سے ہی تعلق رکھتا ہے پس جسمانی ربوبیت کو دیکھتے ہوئے اُسکے کیوں منکر ہوتے ہو اور پھر قرآن شریف

نے فرمایا ہے کہ ان من امۃ الا خلا فیھا نذیر۔ یعنی کوئی قوم نہیں جس میں ہم نے اپنا مامور بھیجا ہو سو اس آیت میں خدائے تعالیٰ نے بدلائل ثابت کیا ہے کہ چونکہ ربوبیت عام ہے اس لیے جسمانی رنگ میں بھی عام ہے اور روحانی رنگ میں بھی یعنی ہر ایک قوم کے باشندوں کو جو الہام الٰہی پانیکے مستحق ہوں الہام کیا جاتا ہے۔ یعنی وہ رحمٰنیت رحیمیت کے مقتضی کو پورا کرتے ہوئے یوم الدین میں پاس ہو جائیں تو انکے لیے الہام الٰہی کا دروازہ کھلا ہے اور چونکہ یہ ربوبیت ہر زمانہ کیلئے ہے اسی لیے اسلام نے ہر زمانہ میں ایک مجدد بتلایا ہے تاکہ لوگ الہام کو ہر زمانہ میں دیکھتے اور آزماتے رہیں پس بتاؤ کہ کیا وہ مذہب جو یہ بتاتا کہ پہلے کسی زمانہ میں اپنے پیرووں کو خدا سے ملایا تھا سچا ہوگا؟ یا وہ جو کہتا ہو کہ میں ہر وقت دکھا سکتا ہوں اور کیا وہ مذہب جو خدائے تعالیٰ کی سب نعمتوں کو ہر زمانہ اور ہر مکان کے لیے عام کرتا ہے محبت کے قابل ہے یا وہ جو خدا کو اب معطل مانتا ہے گویا کہ اب وہ بہرہ ہے۔

پس اب میں گنجایش کے مطابق کافی طور سے لکھ چکا ہوں کہ اسلام ہی ہے جو انسان اور خدا کے تعلقات کو مضبوط کرتا ہے اور انسان کے دل میں اس خالق حقیقی کی محبت کا فوارہ جاری کر دیتا ہے۔ اور اگر کسی اور مذہب کے پیرو کا اسکے برخلاف یقین ہو تو وہ اسکے مقابلہ میں اپنی کتاب میں سے دعویٰ اور دلائل پیش کرے ورنہ بے فائدہ جھگڑوں سے کیا فائدہ۔

واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین

خاکسار

میرزا محمود احمد

تناسخ

Digitized by Khilafat Library

آریوں کے اعتقاد کے بموجب جب کوئی روح اپنے قالب کو چھوڑتی ہے تو اسی دنیا میں دوبارہ اپنے اعمال کی جزا سزا بھگتنے کیلئے کوئی دوسرا جسم پہلے سے ادنیٰ یا اعلیٰ جیسا کہ اس کے اعمال کا تقاضا ہوتا ہے اختیار کرتی ہے اسکا نام یہ لوگ تناسخ یا آواگون رکھتے ہیں۔

یہ ایک دعویٰ ہے جس کے اثبات کے لیے ہم بڑے زور سے کہتے ہیں کہ کوئی قوی دلیل انکے پاس نہیں بلکہ محض انگل بازی سے کام لے رہے ہیں جیسا کہ ہم آگے چلکر دکھا وینگے قرآن شریف بھی ان لوگوں کا قول نقل کر کے آخران کی نسبت یہی فتوٰی دیتا ہے قالو ما ھی الاحیاتنا الدنیا نموت ونحیا ومایھلکنا الا الدھر وما لھم بذالک من علم ان ھم الا یظنّون پ۲۵ س جاثیہ رکوع ۱۸۴ اردو۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ سوائے اس دنیا کے اور کوئی جگہ نہیں ہم اسی میں مرتے اور اسی میں زندہ رہتے ہیں۔ اور ہم کو زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان کو قطعاً اس بات کا علم نہیں بلکہ یہ محض انگل بازی سے کام لے رہے ہیں۔

پیشتر اس کے کہ ہم ان کی ان بے بنیاد اور لغو دلیلوں کو جن کو یہ لوگ بہ اثبات تناسخ پیش کیا کرتے ہیں توڑیں مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ قرآن شریف سے بہ دلائل اس کی لغویت کو ثابت کیا جاوے اور دکھایا جاوے کہ اس مسئلہ کو مان کر کسقدر نقائص نعوذ باللہ

اللہ تعالیٰ کی ذات اس کی صفات اور اسکے افعال ہیں ہم کو ماننے پڑتے ہیں جن سے خدا کی ذات بالکل منزہ اور پاک ہے تاکہ ناظرین کو اچھی طرح سے اس بات کے موازنہ کرنیکا موقعہ ملجائے کہ قرآن شریف کیسا خدا پیش کرتا ہے اور وید کو کس پرمیشر پر ناز ہے۔

اس سے پہلے اس بات کا ذکر کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس عقیدہ کو ماننے پر آریہ لوگ کیوں زور دے رہے ہیں اصل بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے جب اپنے ویدوں کو روح اور مادہ کی حقیقت بیان کرنے سے عاجز پایا اور دیکھا کہ ان دونوں کی اصلیت بیان کرنے سے وید بالکل ساقط ہیں تو پھر مجبوراً ان لوگوں کو ماننا پڑا کہ روح اور مادہ دونوں بمعہ اپنے تمام خواص کے پرمیشر کی طرح خود بخود ہیں اور کوئی انکا خالق نہیں پرمیشر کو روحوں کے پیدا کرنے سے عاجز مان کر پھر لازمی طور پر یہ بھی ساتھ ہی ماننا پڑا۔ کہ نجات کوئی چیز نہیں بلکہ وہی روحیں بار بار جنم لیتی رہتی ہیں یعنی ایک قالب کو چھوڑ کر کوئی دوسرا قالب اختیار کرتی رہتی ہیں تاکہ یہ دنیا کا سلسلہ چلتا رہے بگڑنے نہ پائے کیونکہ اگر تناسخ نہ ہوتا اور نجات کوئی الگ شے ہوتی تو پھر کسی نہ کسی وقت پرمیشر کے پاس روحوں کا وہ ذخیرہ جو اس بیچارے نے خدا جانے کس قدر مشکلات سے اکٹھا کیا ہوگا۔ اور خدا جانے انکو کیا کیا لالچ اور فریب دیکر اپنے قبضہ میں لایا ہوگا۔ (کیونکہ آزاد اشیا کب چاہتی ہیں کہ وہ کسی کے ماتحت ہو کر رہیں) ختم ہو جاتا اور پرمیشر صاحب ہاتھ پر ہاتھ دھر کے بیٹھ جاتے روح اور مادہ کو غیر مخلوق ماننے میں جو مذکورہ بالا خطرناک اعتراض

ان لوگوں پر پڑتا تھا کہ اس کی تاب نہ لاکر انہوں نے تناسخ کا گورکھ دھندہ پیش کر کے اپنا پیچھا چھڑایا ہے۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب انسان ایک بات کو تسلیم کر بیٹھتا ہے تو وہ خواہ بعد میں کیسی ہی غلط اور لغو کیوں نہ ثابت ہو مگر پھر بھی وہ اپنی بات کی پچ کے لئے کوئی نہ کوئی عذر اور جواب تراشتا رہتا ہے۔ تاکہ اسکی مانی ہوئی بات کا کہیں خلاف نہ ہو جاوے۔ لیکن یاد رہے کہ یہ طریق ان لوگوں کا ہرگز نہیں ہوتا جو حق کے طالب ہوتے ہیں بلکہ یہ ان خود غرض لوگوں کا طریق ہے۔ جنکو سوائے لڑائی جھگڑا اور فساد کے اور کوئی کام نہیں۔ یہی حال آجتک تناسخ کے قائلین کا ہے۔ باوجودیکہ کئی کتابیں اور رسالے اس مسئلہ کے رد میں لکھے جاچکے ہیں اور ان دلائل کو جو وہ پیش کرتے ہیں ایسے براہین قاطعہ کیساتھ توڑا گیا ہے۔ مگر پھر بھی وہ بار بار اس مسئلہ کو پیش کر کے عوام کو دھوکہ میں ڈالنے کی کوشش کرتے ہی رہتے ہیں خیر ہمیں اس بات سے غرض نہیں کہ کوئی مانے یا نہ مانے ہم تو ما علینا الا البلاغ کو مدنظر رکھکر حق کو لوگوں تک پہنچاتے ہی رہیں گے ممکن ہے کہ کوئی سعید روح فائدہ بھی اٹھالے

اس مختصر سی تمہید کے بعد میں ناظرین کی توجہ کو اسطرف مبذول کرنا چاہتا ہوں کہ جب ہم اس بات کو مان لیں کہ پرمیشر میں کسی روح کے پیدا کرنیکی طاقت ہی نہیں اور نہ ہی اس نے ہماری روحوں کو بنایا ہے تو پھر اور کونسی بات ہے جو ہمیں مجبور کرتی ہے۔ کہ ہم خدا کی عبادت کریں بلکہ عبادت کرنا تو درکنار ہم اسکے وجود کو ہی تسلیم کرلیں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس نے ہم کو جوڑ جاڑ کر ایک عمدہ شکل میں بنا دیا ہے۔ جس کے عوض میں ہم کو چاہیے کہ ہم اس کی عبادت کریں مگر میں کہتا ہوں

کہ یہ بات ہم کو ہرگز اسکی عبادت کرنیکی رغبت نہیں دلاتی کیونکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایکدم سرے سے پیوند حاصل کرلینا یہ بھی روح کی خاصیتوں میں سے ایک خاصیت ہے۔ ہاں عبادت کرنیکی کوئی چیز ترغیب دے سکتی ہے تو وہ صرف یہی ہے کہ ہم اس بات پر ایمان رکھیں کہ ہمارا بنانیوالا ہمارے ذرہ ذرہ کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اور کوئی نہیں چنانچہ قرآن شریف کی آیت یا ایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون اسی بات کی طرف اشارہ کرتی ہے یعنی اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمکو پیدا کیا اور صرف تم ہی کو نہیں بلکہ ان لوگوں کو بھی جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں تاکہ تم دکھوں رنجوں اور مصیبتوں سے نجات پا جاؤ

اس آیت میں صاف طور پر اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کروانے کی وجہ بیان فرمادی ہے وہ کیا ہے وہ یہی ہے کہ میں نے تمکو پیدا کیا ہے اور پیدا بھی صرف عبادت کے لیئے ہی کیا ہے۔ جیسا کہ وہ ایک اور جگہ پر فرماتا ہے۔ ماخلقت الجن والانس الا لیعبدون یعنے میں نے جن اور انس کو صرف عبادت کے لیئے ہی پیدا کیا ہے۔ اسلیئے تمپر ضروری ہے کہ تم ہر وقت میری عبادت میں لگے رہو لیکن جب ہم اس کی پیدائش ہی نہیں بلکہ ہم بھی خدا کی طرح نعوذ باللہ خود بخود ہیں تو پھر پرمیشر کو نسا ہم سے بڑھکر حق حاصل ہے کہ وہ ہم سے پرستش کرواتا ہے۔

اچھا اگر ہم فرض کے طور پر مان بھی لیں کہ جوڑنا جاڑنا پرمیشر کا ہی کام ہے۔ روح کا خاصہ نہیں۔ تو پھر بھی ہم کو پرمیشر کا وجود بہت ہی نکما اور ضعیف ساماننا پڑیگا۔ کیونکہ روح کے تمام دیگر اعلیٰ صفات کے مقابلہ

میں یہ کام بہت ہی ادنیٰ سا ہے اسبات کے مان لینے کے بعد کہ خدا روحوں کے پیدا کرنے پر قادر نہیں پھر بالطبع یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پرمیشر کو روحوں کی کیفیت اور کنہ کا پورا پورا علم بھی ہے کہ نہیں اگر اسکو پورا پورا علم ہے تو پھر کیا وجہ کہ باوجود پورا پورا علم ہونیکے پھر ایسی روح بنا نہیں سکتا سو اس سوال پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ صرف یہی نہیں کہ پرمیشر روحون کے پیدا کرنے پر قادر نہیں بلکہ ان کی نسبت پورا پورا علم بھی نہیں رکھتا کیونکہ پوری پوری حقیقت یا علم کسی شے کا تب ہی ہو سکتا ہے۔ جب کہ وہ چیز اپنے ہاتھ سے نکلی ہو چنانچہ یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ آریوں کا پرمیشر انسان کی بعض خواہشوں اور فطری تقاضوں کو پورا کرنے میں قاصر رہتا ہے۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر ثابت کرو ینگے۔

مگر بالمقابل اس کے قرآن شریف ایسے لوگوں کی نسبت جو خدا تعالیٰ کی صفات میں کمی کرتے ہیں فرماتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں خدا ان نقائص سے پاک ہے پھر سورہ بنی اسرائیل میں ایسے لوگوں کا یہ قول وقالوا ءَاذا کنا عظاماً ورفاتاً ءانا لمبعوثون خلقاً جدیداً یعنے کافر لوگ کہتے ہیں کہ کیا جبکہ ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے تو پھر ہم نئی پیدائش میں اٹھائے جائینگے نقل کرکے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اولم یروا ان اللہ الذی خلق السمٰوٰت والارض قادر علیٰ ان یخلق مثلھم یعنے کیا یہ اتنا بھی نہیں جانتے کہ جس خدا نے زمین و آسمان کو بنایا ہے کیا وہ اسبات پر قادر نہیں کہ انکی مثل اور پیدا کردے (بلیٰ و انا من الشاھدین) پھر سورہ یٰسین میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اولیس الذی خلق السمٰوٰت والارض بقٰدر علیٰ ان یخلق مثلھم بلیٰ وھو الخلّٰق العلیم یعنے کیا وہ

خدا جس نے زمین و آسمان کو پیدا کر دیا اس بات پر قادر نہیں کہ اس کی مثل بنا دیوے ہاں ہے اور وہ خلق کرنیوالا اور علم والا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خوب اس بات کو واضح کر دیا ہے کہ میں ہی خالق ہوں چونکہ میں علیم ہوں اور پھر جب میں کسی چیز کا ارادہ کرتا ہوں کہ وہ ہووے تو وہ ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اسی کے آگے فرماتا ہے انما امرہٗ اذا اراد شیئًا ان یقول لہ کن فیکون یعنے اسکا کام یہ ہے۔ کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے اس کے لیئے کہتا ہے۔ پس وہ ہو جاتی ہے جبکہ ہم اسکو پیدا کر چکے ہیں۔ تو پھر تو ہم اسکی حقیقت اور کنہ سے پوری طرح واقف ہیں اسلیئے ہم کو کسی چیز کے بنانے مین کوئی مشکل نہین پھر ایک اور جگہ سورہ الملک میں فرمایا ہے۔

واسروا قولکم اواجھروا بہ انہ علیم بذات الصدور الا یعلم من خلق وھو اللطیف الخبیر یعنے تم بات کو ظاہر کر دیا پوشیدہ کرو اللہ تعالےٰ تو تمہارے سینے کی باتوں کو جاننے والا ہے۔ چنانچہ آگے اللہ تعالےٰ کے جاننے کی وجہ بیان کرتا ہے فرماتا ہے۔ کہ کیا وہ ذات جس نے تم کو پیدا کیا اور تمہارے ذرہ ذرہ کو بنایا اور ان میں طرح طرح کی خاصیتیں رکھیں تمہاری باتوں سے بے خبر ہو سکتی ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ وہ سب سے زیادہ لطیف طور پر خبر رکھنے والی ہے۔

پھر سورہ فاطر مین اور بھی اس امر کو واضح کر دیا ہے فرمایا ہے یاایھا الناس انتم الفقراء الی اللہ واللہ ھو الغنی الحمید ان یشاء یذھبکم ویات بخلق جدید وما ذلک علی اللہ بعزیز یعنے اے لوگو اللہ ہی غنی بے پرواہ ہے۔ اور اسی لئے صفت کئے جانیکے لایق ہے تم کسی حقیقی صفت کے قابل نہین اسواسطے کہ تم ہر بات میں اسی کے محتاج ہو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے

* ہم پہلے لکھہ آئے ہین کہ آریہ لوگ کیونکہ روح کو اور اسکی تمام خاصیتوں کو غیر مخلوق مانتے ہین اسلئے ضروری ہو کہ پرمیشور کو انکی تمام خاصیتوں کا [illegible] اس سے بڑھکر علم رکھتا ہوگا۔ جس نے انکو خلق نہیں کیا۔ اسی کی طرف اس آیت مین اشارہ ہے۔

آریون کی اس بات کا بھی رد کر دیا ہے کہ روحین اپنے قیام میں کسی کی محتاج نہیں بلکہ خود بخود اپنی ذات میں قائم ہیں اور اسکا بڑا زبردست ثبوت یہ دیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تم سب کو تباہ کر کے اور نئی خلق پیدا کر دے اور تم یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ پر یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

کیا وہ ذات جس کو روحوں کی کنہ اور حقیقت کا علم ہی نہیں ایسا زبردست دعویٰ کر سکتی ہے کیا آریوں کے پرمیشر میں یہ جرأت کبھی پیدا ہو سکتی ہے کہ وہ اس طرح للکار کر روحوں کو متنبہ کر دے میرے خیال میں اتنا بڑا دعویٰ تو کیا اس بیچارے کو تو ہر وقت روحوں کی طرف سے یہ خطرہ لگا رہتا ہو گا۔ کہ کہیں ابھی نہ فرنٹ ہو کر میرے مقابل نکل کھڑی ہوں اور مجھے اپنی خدائی سے دست بردار ہونا پڑے کیا ایسا پرمیشر اس قابل ہے کہ اس کی پرستش کیجاوے کیا اے آریو! اب بھی تم اس بودے اور کمزور اور جاہل پرمیشر کو چھوڑ کر اس حقیقی خالق کی طرف رجوع نہیں کرو گے جس نے تمہارے ذرہ ذرہ کو بنایا ہے

مذکورہ بالا بعض آیات کے غلط معنے کر کے بعض نادانوں نے تناسخ کا ثبوت نکالا ہے عقلمند سمجھ سکتے ہیں کہ وہ بات جو ابتک قرآن کے جاننے والوں اور تمام عمر اسی کو پڑھنے والوں کو نہیں معلوم ہوئی اسکو اب عربی زبان سے بالکل ناواقف اسلامی تعلیم سے بالکل بے خبر انسان نکالتا ہے وہ کسقدر لغو اور بیہودہ ہو گی مگر تاہم اس جگہ ہم چند اور آیات پیش کرتے ہیں جس سے بخوبی واضح ہو جاویگا کہ قرآن شریف اس سلسلہ کی بالکل بیخکنی کرتا ہے فرماتا ہے اولم یروا کم اھلکنا قبلھم من القرون انھم الیھم لا یرجعون و ان کل لما جمیع لدینا محضرون (سورۃ یٰسین) یعنے یہ جو بار بار

کہتے ہیں کہ ہم اسی دنیا میں جنم لینگے اتنا بھی نہیں دیکھتے کہ ہم نے پہلے کسقدر بستیاں ہلاک کی ہیں اور انمیں سے ایک بھی ان کے پاس لوٹ کر نہیں آئی بلکہ وہ تو سب کی سب ہمارے ہی حضور حاضر ہونگی۔

پھر ایک اور جگہ قوم عاد کی نسبت فرماتا ہے۔ واتبعوا فی ھذہ الدنیا لعنۃ ویوم القیامۃ یعنے اس دنیا میں بھی ان کے پیچھے لعنت ہی لگائی گئی۔ اور قیامت کو بھی لعنت ہوگی یہاں صاف طور پر فرمادیا ہے کہ بداعمالیوں کی سزا کا مقام قیامت ہے نہ کہ یہ دنیا پھر اسی کی طرف سورہ بنی اسرائیل میں اشارہ کیا ہے وکل انسان الزمنٰہ طائرہٗ فی عنقہ ونخرج لہ یوم القیامۃ کتٰبا یلقٰہ منشورا پھر اس پارہ میں اسکو اور بھی واضح کردیا ہے انھم لا یرجعون یعنے مردے کبھی لوٹ کر نہیں آتے پھر فرمایا متاع الی حین یعنے تھوڑا سا وقت ہے جو کہ دنیا میں گزرتا ہے۔ پھر سورہ فاطر میں اور بھی واضح کردیا ہے۔ فرمایا ہے والذین کفروا لھم نار جہنم لا یقضی علیھم فیموتوا ولا یخفف عنھم من عذابھا کذٰلک نجزی کل کفور وھم یصطرخون فیھا ربنا اخرجنا نعمل صالحا غیر الذی کنا نعمل او لم نعمرکم ما یتذکر فیہ من تذکر وجاءکم النذیر فذوقوا فما للظٰلمین من نصیر۔ دیکھو اس آیت میں صاف بتا دیا ہے کہ کفار لوگ جب اپنی بداعمالیوں کی سزا کو بھگتینگے۔ تو کہہ اٹھیں گے اے ہمارے رب ہمکو نکال اس سے ہم پھر دنیا میں جاویں اور پھر نیک عمل کریں پھر انکو یہی جواب دیا جائیگا کہ کیا پہلے تم کو عمر نہیں دیگئی تھی اور پھر تمہارے پاس کیا ہمارے نذیر نہیں آئے تھے اب تم کسی طرح بھی خلاصی نہیں پا سکتے اب عذاب کو چکھو ظالموں کا اب کوئی مددگار نہیں۔

اس جگہ اسبات کا کھول دینا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ نجات پانیکے

اس بات کی تشریح بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جاوے کہ پرمیشر کسی کا ایک ذرہ بھر بھی گناہ نہیں بخشتا اور اسکے بغیر سزا دینے کے رہا نہیں جاتا تو پھر لازمی طور پر یہ بھی ساتھ ہی ماننا پڑیگا کہ پرمیشر کا روحوں کی حقیقت اور کنہ سے واقف ہونا تو درکنار انکے فطری تقاضوں سے محض نا آشنائی ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہین کہ گناہ سرزد ہونے پر معافی چاہنا اور سزا سے بچنے کے لیئے کوشش کرنا یہ ایک انسانی فطرت کا تقاضا ہے مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ ایک نوکر اگر اپنے آقا کا کوئی قصور کرے تو وہ اپنے آقا سے بھی درخواست کرتا ہے کہ اب کی دفعہ مجھے معاف کر دیا جاوے آیندہ پھر کبھی ایسا نہیں کرونگا۔ اور پھر آقا بھی اسپر رحم کھا کر معاف ہی کر دیتا ہے انسان تو انسان حیوانات مین بھی یہی دیکھا جاتا ہے کہ وہ بھی بہت دفعہ اپنے ستانیوالے پر درگزر سے ہی کام لیتے ہین گو جب ستانیوالا باز نہ آوے تو پھر تنگ آمد بجنگ آمد پر عمل کر کے اچھی طرح سے خبر لیتے ہیں لیکن یہاں آریوں کے پرمیشر کا یہ حال ہے کہ ایک ذرہ سا بھی قصور انسان سے سرزد ہوا تو فوراً گرفت کی اور گرفت بھی ایسی کہ وہ پھر کبھی بھی رہائی نہ پاسکے خواہ وہ بیچارہ کتنا ہی روتے پیٹتے منتیں کرے زاری کرے مگر پرمیشر کو اسکے حال پر ذرا رحم نہیں آتا کہ اسکو ایکدفعہ تو معاف کردے بلکہ معاف کرنا تو درکنار وہ تو ہمیشہ اسی تاڑ مین لگا رہتا ہوگا کہ جلدی بندے سے گناہ سرزد ہو تو مجھے موقعہ ملے کہ میں اسکو ہمیشہ جنم مرن کے پھندے میں رکھوں کیونکہ اگر وہ بھی انسانوں کی طرح رحم کرنا شروع کردے تو پھر تو اسکی خدائی کی خیر نہیں کیونکہ اسطرح آہستہ آہستہ تمام روحین خلاصی پاکر آخر نجات پاجائینگی تو پھر وہ دنیا کا سلسلہ چلانیکے لئے اور روحیں کہاں سے لائیگا کیونکہ نئی روحیں پیدا کرنا تو اسکی طاقت مین ہی نہیں لیکن کیا جو فطرت کا خالق ہے وہ کبھی ایسا ظالم ہوسکتا ہے کہ ایک فطری تقاضے کو جو اسنے خود انسان کو ودیعت کیا ہے پورا نہ کرے ہاں اگر تم یہ کہو کہ ہمارا پرمیشر تو روحوں کا خالق ہی نہین اسلیئے وہ انکی فطری تقاضوں کو کیا جانے تو پھر روحوں کے لئے اس سے بڑھکر اور کونسا ادنی اور مایوس ہونیکا مقام ہوسکتا ہے کہ انکی فطرت مین ایک بات پائی جاوے اور ان سے پورا کرنیکی کوئی ہستی موجود نہ ہو۔ ناظرین یہ ہے حال اس پرمیشر کا جسکو تناسخ کے قائلین پیش کرتے ہین (باقی آیندہ)

لیئے بہت سے جنم کسی صورت میں بھی کافی نہیں ہو سکتے جیسا کہ آریہ لوگ کہا کرتے ہیں۔ کہ بہت سے جنم اسواسطے ہین کہ جیو آہستہ آہستہ پاک ہوکر سنجات حاصل کرلے کیونکہ بہت سے جنموں مین ساتھ ہی یہ بھی لگا ہوا ہے۔ کہ پیچھلے جنم کی بداعمالیاں جنکی سزا وہ بھگت رہا ہے۔ انکا علم انسان کو بالکل نہیں دیا جاتا تاکہ وہ آیندہ اس گناہ سے بچ سکے پہر یہ کسقدر ظلم ہے۔ کہ اس بچاریکو علم تو نہ ہو لیکن وہ ایک ذرہ سے گناہ کے بدلے میں لاکھوں اور کروڑوں جونوں میں مبتلا ہوتا رہے یہ عجیب قسم کا طریق پرمیشر صاحب کو پاک کرنیکا ہاتھ آیا ہے۔ کہ ایک گناہ سے پاک کرنیکے لیئے اور طرح طرح کے گناہوں میں اسکو مبتلا کرواتا ہے۔ جنکی وجہ سے پھر وہ کبھی بھی سنجات کا منہ نہیں دیکھ سکتا۔

یاد رہے کہ یہ بھی محض دھوکہ دہی اور اپنی تعلیم پر پردہ ڈالنا ہے جو یہ کہا جاتا ہے کہ جیو بھی پاک ہوکر کئی کھرب برس تک سنجات حاصل کرکے انند (سکھ) میں رہتا ہے کیونکہ جب ایکدفعہ جیو جسم میں مقید ہوگیا تو پھر اسکا گناہوں سے چھوٹنا ہی بہت مشکل ہے خصوصاً اسحالت میں جب کہ پرمیشر میں یہ طاقت ہی نہیں کہ وہ کسی کا گناہ بخش سکے خواہ وہ گناہ علم سے ہو یا لاعلمی سے اگر ہم اور کوئی گناہ بھی نہ مانیں تو کم ازکم اتنا تو ضرور ہی ماننا پڑیگا کہ ویدوں کے احکام سے پوری پوری اطلاع حاصل کرنے سے پہلے جسقدر خلاف ورزیاں ان احکام کی ہم سے ہو جاوینگی (کیونکہ احکام کی خلاف ورزی ہی گناہ ہے) وہ تو کبھی بھی معاف نہیں ہونگی اب ناظرین خود ہی سمجھ لیں کہ پھر کس طرح جیو سنجات کا منہ دیکھ سکتا ہے جب کہ ایک ایک گناہ کے بدلہ کئی کئی جونیں ہیں*

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

نجات

تمہید چار دسمبر ۱۹۰۹ء کو پادری میکلین صاحب نے مشن کالج لاہور کے کمپونڈ میں ایک لیکچر اس بات پر دیا تھا کہ نجات کیا ہے اور کس طرح حاصل ہو سکتی ہے۔ لیکچر میں آپ نے گو وہی باتیں دہرائی ہیں جو ایک مدت سے مسیحی صاحبان فرما رہے ہیں اور جنکا جواب سالہا سال سے دیا جا رہا ہے مگر اس خیال سے کہ مسیحی لیکچروں کو سننے کے بعد اگر لوگوں کو ساتھ ہی مسیحی نجات کی اصل حقیقت بھی معلوم ہو جائے تو شاید کسی نیک فطرت کو فائدہ پہنچے۔ میں چاہتا ہوں آپکے لیکچر کے جواب میں ایک مختصر سا مضمون لکھکر ظاہر کر دوں کہ وہ نجات جو پادری صاحب نے بیان فرمائی ہے وہ اصل میں نجات ہے یا نہیں۔ پہلے اسکے کہ میں مسیحی نجات پر کچھ لکھوں گناہ کی تعریف اور جو کچھ اسکی نسبت قرآن شریف بلکہ توریت نے بھی بتایا ہے مختصراً بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

گناہ کی اصلیت یاد رہے کہ نجات کا سب دارومدار تقویٰ اور طہارت پر ہی ہے اگر کوئی شخص گناہوں سے بالکل پاک ہو جائے تو وہ نجات پا گیا اور جو گناہوں کے پھندے میں پھنس گیا اور شیطانی تصرف میں آگیا وہ ہلاک ہو گیا۔ پس ہم دیکھتے ہیں کہ گناہ کیا ہے یاد رہے کہ گناہ نام ہے ان خداداد طاقتوں کے غیر محل استعمال کرنیکا جو کہ خدائے تعالیٰ نے انسان کو عنایت فرمائی ہیں مثلاً انسان کو بہادری عنایت ہوئی ہے اگر کوئی شخص اسکو اسکے محل پر استعمال نہ کرے اور غیر محل اور ناجائز استعمال شروع کر دے تو اسکا نام ظلم ہو جائیگا اور وہ گناہ کہلائیگا۔ یا ایک شخص کو دولت دی گئی ہے اور وہ اسکو ناجائز طور سے استعمال کرتا ہے تو وہ مسرف کہلا کر گنہگار ٹھہریگا اور جسکو عقل اور دانائی دی گئی ہو وہ اسے غیر محل استعمال کر کے فریب دغا کرے تو وہ گنہگار کہلائیگا۔ اسی طرح اعضائے انسانی میں زبان کو آنکھوں کو کانوں کو ناک کو ہاتھوں کو پاؤں کو غرضکہ ہر ایک عضو کو غیر محل استعمال کرنیوالا گنہگار ہے اور خدا کے حضور میں قصوروار۔ اور وہ جو

میانہ رَو ہے اور صراطِ مستقیم سے ادھر اُدھر نہیں ہوا وہ متقی اور پرہیزگار ہے۔

پس گناہ اسی کا نام ہے کہ انسان اعتدال کو چھوڑ دے اور اپنے فرائض منصبی میں کمی کرنے لگ جائے یا زیادتی شروع کر دے۔ مثلاً انسان کو جو شہوانی قوٰی عنایت کیے گئے ہیں کوئی شخص انمیں اعتدال کرتا ہے اور عدل پر قائم نہیں رہتا اور اُن قوٰی کو اپنے موقعہ اور محل پر استعمال نہیں کرتا اور بیوی کو چھوڑ کر غیر عورت پر استعمال کرتا ہے تو ایسا شخص چونکہ اعتدال کو ہاتھ سے دے بیٹھا اس لیے گنہگار کہلائیگا۔ اور خدا کے حضور میں مجرم سمجھا جائیگا۔ لیکن وہ جو اس قوت کو برمحل اور بامَوقعہ استعمال میں لاتا ہے وہ متقی ہے اور والذین ھم لفروجھم حافظون کے گروہ میں شامل ہے غرضکہ اسی طرح کُل گناہوں کو دیکھ لو کہ نیک صفات کو اعتدال سے استعمال نہ کرنیسے ہی پیدا ہوتے ہیں ورنہ اصل میں گناہوں کا وجود نہیں۔

قرآن شریف میں گناہ کی تعریف

پس مشاہدہ ہم کو یہ بات بتاتا ہے کہ گناہ صرف صراطِ مستقیم کو چھوڑنیکا نام ہے چنانچہ سورۃ فاتحہ میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین۔ یعنی متقیوں کی راہ وہ ہے جو سیدھی ہو اور اعتدال سے ہو اور وہ لوگ جو کہ تقوٰی سیکھنا چاہیں انہیں چاہیئے کہ دعا مانگیں کہ انہیں بھی اُن لوگوں کی پیروی کی توفیق ملے اور ایسا نہ ہو کہ وہ یہودیوں کی طرح ہو جائیں کہ جنہوں نے مسیح اور آنحضرتؐ کے نہ ماننے سے انبیاء اللہ کی تعظیم میں کمی کی اور سبت میں اعتداکیا اور اسی طرح مسیحیوں کی پیروی نہ اختیار کریں کہ انہوں نے آنحضرتؐ اور خود اپنی شریعت کو نہ مانکر تفریط سے کام لیا اور مسیح کی محبت میں حد سے زیادہ غلوّ کیا اور دوسرے بتایا کہ ایسا نہ ہو کہ تم کسی سے بیجا عداوت کر بیٹھو یا علم صحیح اور امر علم الٰہی کی جو تمکو انبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ ملا ہے خلاف ورزی کرو اور مغضوب بنجاؤ یا کسی سے زیادہ اور بیجا محبت کرکے اور ان علوم الٰہیہ کے خلاف جنکو انبیاءؑ لائے چلکر انسے محروم رہ جاؤ اور ضلال میں پڑ جاؤ۔

پس اس سورۃ میں خدائے تعالیٰ نے گناہ کی کیفیت کھولکر بیان فرما دی ہے کہ وہ اصل چیز کیا ہے

غرضکہ نیکی اصل اور صراطِ مستقیم ہوتی ہے اور بدی صراطِ مستقیم سے ادھر اُدھر ہونیکو کہتے ہیں چنانچہ انسان میں جو اصل چیز پیدا کی گئی ہے وہ حسن ہے چنانچہ قرآن شریف میں ہے کہ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (سورۃ تین) اور پھر اس طرح خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ قل انّنی ھدانی ربّی الیٰ صراطٍ مستقیم ہ دیناً قیماً ملۃ ابراھیم حنیفا (سورۃ انعام ع) یعنی اے محمد کہ خدائے تعالیٰ نے مجھکو صراطِ مستقیم کی ہدایت کی ہے جو کہ استوار اور بے کجی کی ہے اور ابراہیم کا طریقہ ہے جو اعتدال پر قائم رہنے والا انسان تھا۔ پھر خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ قرانا عربیاً غیر ذی عوجٍ لعلّھم یتّقون (الزمر ع) الحمد للہ الّذی انزل علیٰ عبدہ الکتاب ولم یجعل لہ عوجا (سورۃ کہف ع) اور پھر سورۂ فرقان میں فرماتا ہے وعباد الرحمٰن الّذین یمشون علی الارض ھوناً واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاماً (رکوع ۶) یعنی ہماری پاک بندے وہی ہیں کہ جو اپنے ایام زندگی کو جو کہ انکو ولکم مستقر و متاع الیٰ حین کے حکم کے مطابق اس زمین پر گذارنے پڑتے ہیں اعتدال کے ساتھ گذارتے ہیں اور انکی زندگی سکینت اور وقار کے ساتھ ہوتی ہے نہ تو تیزی سے کام لیتے ہیں اور نہ کمال سُستی کو برتتے ہیں بلکہ تمام عمر فتنوں اور فسادوں سے بچتے رہتے ہیں اور اگر کوئی شریر جاہل انسے بات کرتے ہیں اور جھگڑا برپا کرنا چاہتے ہیں تو وہ درگذر کر جاتے ہیں۔

قرآن شریف نے گناہ کیلئے کونسے الفاظ استعمال کئے ہیں

غرضکہ اول تو مینے عقلاً ثابت کیا ہے کہ گناہ اصل میں راہ راست سے ادھر اُدھر پھر جانیکا نام ہے۔ اب پھر قرآن شریف کا مذہب بیان کیا ہے کہ قرآن شریف نے اس مسئلہ کو خوب حل کیا ہے چنانچہ اُن آیات کے علاوہ جو میں اوپر درج کر آیا ہوں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ قرآن شریف نے جسقدر الفاظ گناہ کیلئے استعمال کئے ہیں وہ لغت عرب میں یا تو زیادتی کے یا کمی کے معنے دیتے ہیں چنانچہ اثم کے معنوں میں کمی مفہوم ہے جیسا کہ آثمۃ عربی میں اُس اونٹنی کو کہتے ہیں کہ جو سست چلتی ہو۔ اور پھر جناح بھی جھک جانے اور اعتدال کو چھوڑ دینے کو کہتے ہیں اسی طرح ذنب زیادتی کے معنے دیتا ہے اور پھر اعتداء اور عصیان

اور افراط وغیرہ سب لفظ زیادتی اور شدت کے معنے دیتے ہیں پس صاف معلوم ہوتا ہے کہ جیسا کہ عقل انسانی چاہتی ہے قرآن شریف نے بھی گناہ کو راہ راست سے بڑھ جانے یا پیچھے رہ جانے سے تعبیر کیا ہے اور اصل پیدایش انسان کی نیکی اور تقویٰ پر رکھی ہے۔ پس اب ہم پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ خدا نے گناہ کیوں پیدا کیا کیونکہ خدائے تعالیٰ نے انسان کو چند صفات حسنہ ودیعت کرکے اسی ایک حد تک مقدرت دیدی کہ انپر عمل کرکے موارج ترقی حاصل کرے اب یہ اسکا اپنا قصور ہے کہ انکے پورا کرنے میں کوتاہی کرے یا اعتدار کرے۔

دلیل عقلی غور کرکے دیکھو تو چونکہ انسان میں اصل میں نیکی کا مادہ ہے اسلیئے زیادہ تر کام اسکے نیکی کے ہوتے ہیں مثلاً ایک شخص جسکو جھوٹا کہا جاتا ہے وہ دن بھر میں سیکڑوں تو سچ بولتا ہے ہاں ایک دو جھوٹ بھی بول لیتا ہے اور ان ایک دو جھوٹوں کی وجہ سے وہ جھوٹا کہلاتا ہے اور یہ اسلیئے کہ اسنے قانون فطرت کو توڑ دیا اور اصل راہ سے پھر گیا اسی لیئے جب انسان سچ بولتا ہے تو لوگ حیران نہیں ہوتے اور وہ ایک معمولی بات سمجھی جاتی ہے مگر جب کوئی جھوٹ بولے تو سب کے سب اسکی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں کہ یہ کیا بکواس کرتا ہے۔

چنانچہ ہمارے آنحضرتؐ نے اس مسئلہ کو کیا خوب ادا کیا ہے اللھم نقنی من خطایای کما ینقی الثوب الابیض من الدنس جس سے معلوم ہوا کہ اصل میں انسانی دل سفید کپڑے کیطرح ہے۔ اور پھر قرآن شریف میں بھی خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فطرت اللہ التی فطر الناس علیھا۔ یعنی انسان کے خصائل اور تمنا یا خدائے تعالیٰ کے اخلاق پر پیدا کیئے گئے ہیں اور یہ بات بدیہی ہے جیسا کہ میں پچھلی مثال میں ثابت کر آیا ہوں کہ اصل نیکی ہے بدی صرف اعتدار کا نام ہے جیسے کہ آنکھ دیکھنے کیلیئے دیگئی ہے اور دیگر فوائد کیلیئے عنایت کیگئی ہے اسکو بدنظری کے کام میں لانا یا کانوں کو غیبت کے سننے پر لگانا یا زبان سے بدگوئی کرنا پس مینے پوری طرح سے ثابت کر دیا ہے کہ بدی اعتدار ہے۔

صراط مستقیم کیلئے ہے اب یہ ضرورت پڑیگی کہ یہ بات کسطرح معلوم ہو گی کہ صراط مستقیم کیا ہے

اور کونسا ہے سو اول تو خود فطرتِ انسانی انسان کو اُسکا پتہ دیتی ہے اور دوسرے اُسکی پہچاننے کے لیئے یہ سب سے عمدہ معیار ہے کہ جسقدر باتیں انسان کے دل میں تعظیم الٰہی پیدا کریں اور اُس کو مخلوق کی شفقت پر مائل کریں اور فساد سے اُسکا دل پھیر دیں تو وہ تو صراطِ مستقیم ہیں اور جو اسکے برخلاف ہوں وہ سب گناہ اور بدیاں ہیں اور انہی احکام کے اظہار کیلیئے شریعتیں آتی ہیں تاکہ خدائے تعالیٰ انسان کو اپنی رضا کے تمام احکام بتادے اور وہ باخبر ہو جائے کہ کونسی راہیں کمی کی اور کونسی زیادتی کی ہیں اور کونسی کان بین ذٰلک قواما کی راہیں ہیں

پس معلوم ہوا کہ انسانی اعمال کو ٹھیک کرنیوالی شریعت ہی ہے کیونکہ وہ انسان کو اُن راہوں سے واقف کرتی ہے کہ جو مستقیم ہوتی ہیں کیونکہ انسان کو معرفت ہی ایک کام کے کرنے پر تیار کرتی ہے اور وہی دوسرے کام سے روکتی ہے مثلاً ایک شخص کو جب علم کی معرفت حاصل ہو اور وہ اُسکے فوائد پر آگاہ ہو جائے تو خود بخود اُسکے پڑھنے کی طرف مائل ہو جاتا ہے چنانچہ جسقدر کوئی کسی نیک چیز کا عرفان حاصل کرے اُسیقدر اُسکی طرف زیادہ جھکتا ہے اور جسقدر کسی بدچیز کا عرفان حاصل ہو اُسیقدر بچتا ہے چنانچہ جسکو اچھی طرح سے زہر کے خواص پر واقفیت ہو وہ زہر کا پیالہ کبھی نہ پیئے گا اور جو آگ کی طاقت سے واقف ہو وہ کبھی اُسمیں ہاتھ نہیں ڈالیگا اور یہ جانتے ہوئے کہ اس بل میں سانپ ہے اور سانپ کے کاٹے سے کیا نقصان ہوتا ہے کوئی اُس بل میں ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہ کریگا پس اصل چیز جو گناہوں سے انسان کو روک سکتی ہے وہ تو صرف اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور فضل کا جاذب ایمان ہے اور جیسے ایمان بڑھیگا ویسے ہی اعمال ہونگے اور ایمان شریعت کو چاہتا ہے۔ بے علم انسان کیلیئے کوئی لاکھ اپنا سر پھوڑے یا کسی اور کو زہر دیدے لیکن اگر وہ آگ میں ہاتھ ڈالتا ہے تو وہ جلیگا اور اگر پہاڑ سے بے سامان کودتا ہے تو ہڈی پسلی تڑوائیگا۔

پس چونکہ گناہ سے نجات ہی اصل نجات ہے جیسا کہ خود پادری میکلین صاحب نے اپنے لیکچر میں بیان کیا ہے اسلیئے معلوم ہوا کہ اصل ذریعہ نجات کا فضل ہے اور اُس کا

جاذب ایمان اور اعمال تو ایمان کے ثمرات ہونگی) شریعت کاملہ ہی ہو اور شریعت کاملہ کی بغیر کوئی چیز نجات کے لیئے کافی نہیں ہوسکتی کیونکہ علم تام سی ہی انسان نیکی کرتا اور گناہ سے بچتا ہی یعنی راہِ راست سے اِدھر اُدھر نہیں ہٹتا پس جب فضل کے ساتھ علم تام ہو اور صراطِ مستقیم سے کامل واقفیت ہو تو ایسا انسان گناہ سے بچ گیا اور ناجی ہوا کیونکہ عرفانِ کامل کے بعد گناہ سرزد نہیں ہوسکتا اور اس بات کو ہمارے حضورؐ نے بھی لیا ہی جبکہ فرمایا کہ اگر تمکو وہ علم ہو جو کہ مجھکو حاصل ہی تو تم ہنسو کم اور رو و زیادہ یعنی علم تام کی بعد انسان گناہ سے بچ جاتا ہے۔

دنیا میں ہمیشہ نیک لوگ ہوتے رہتے ہیں

چنانچہ برخلاف پادری انگلین کی جو کہ کہتے ہیں کہ کوئی آدمی دنیا میں نیک نہیں ہوا اور نہ کسی نے دعویٰ کیا۔ ہمارا ہادی فرماتا ہے قل انی ھدٰنی ربی الیٰ صراط مستقیم بلکہ آپکے اتباع کرامؓ کی نسبت ارشاد ہے۔ السابقون الاولون من المھاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوعنہ۔ پھر بدری صحابیوں کی نسبت آیا ہی کہ اعملوا ماشئتم یعنی اب تم اسقدر عرفان حاصل کر چکے ہو کہ اب تمھارا ہر ایک کام نیکی ہی ہوگا اور بدی سے تم بالکل محفوظ ہو گئے ہو اور تمھارے ذرہ ذرہ میں صراط مستقیم کی شناخت سرایت کر گئی ہی پس تمھارے ہر ایک کام میں اب نیکی ہی نیکی ہوگی۔ اسی طرح مذہب اسلام کا دعویٰ ہی کہ کل انبیاءؑ بالکل پاک اور نیک تھے چنانچہ ہمارے آنحضرتؐ تو عام دنیا کو للکار کر فرماتے ہیں کہ قد لبثت فیکم عمرا یعنی میں تم میں ایک عمر بسر کر چکا ہوں کیا تم نے مجھ میں کچھ گناہ دیکھا ہی کہ اب مجھکو جھوٹا سمجھنے ہو چنانچہ کسی سے جواب نہ بن آیا اسی طرح اُمّت محمدیہ میں سیکڑوں نہیں ہزاروں اس قسم کی لوگ پیدا ہوئے ہیں اور اسوقت بھی ہیں چنانچہ ابھی ایک شخص نے خدا کی طرف سے مامور ہو کر ساری دنیا کو پکارا کہ قد لبثت فیکم عمرا لیکن کوئی مقابلہ نہ کر سکا۔ غرضکہ اسلام کا دعویٰ ہی کہ میں نہ صرف پاک اور ناجی لوگ ہی

پیدا کرتا ہوں بلکہ ایسے لوگ بھی میری اتباع سے پیدا ہوتے ہیں کہ جو انبیاء کا درجہ رکھتے ہیں اور الہام الٰہی سے مشرف ہوتے ہیں پس باوجود اس دعوے کے پادری صاحب کا کیا حق ہو کہ وہ کہیں کہ کوئی نہیں جو اپنے آپکو شریعت پر چلکر گناہوں سے پاک قرار دیتا ہو حالانکہ مسلمانوں میں ایسے لوگ ہو گذرے ہیں اور ہر زمانہ میں آتے ہیں۔

قرآن شریف انسان کو پاک قرار دیتا ہے

اور پھر پادری صاحبان کا کہنا کہ خدا نے تعالیٰ نے قرآن شریف میں آدم کی نسبت بھول کا لفظ استعمال کیا ہو اسمیں کیا حرج ہو کاش کہ آپ اتنا سمجھتے کہ گناہ اور نسیان میں بڑا فرق ہو پھر آپنے فرمایا ہو کہ قرآن شریف میں ہے کہ انسان میں عزم نہیں ہے افسوس اگر آپ فاذا عزمت فتوکل علی اللہ کو دیکھتے تو آپکو معلوم ہوتا کہ وہ بدونکی نسبت ہے نیک لوگ بڑے عزم والے ہوتے ہیں پھر یہ کہنا بھی غلط ہو کہ انسان بے صبر پیدا کیا گیا ہو کیونکہ دوسری طرف بشر الصابرین بھی تو قرآن شریف میں ہے کہ تیری پیرووں میں ایک گروہ صابرین کا ہو پھر سورۃ اعراف میں ہے کہ وتمت کلمت ربک الحسنیٰ علیٰ بنی اسرائیل بما صبروا مومنین میں ہے کہ جزیتھم الیوم بما صبروا فرقان میں ہے کہ اولئک یجزون الغرفۃ بما صبروا قصص میں ہے کہ یؤتون اجرھم مرتین بما صبروا پھر باوجود اسقدر شہادتوں کے پھر کہنا کہ انسان بے صبر پیدا کیا گیا ہو ناانصافی نہیں تو اور کیا ہو یہاں بھی نیکوں اور بدونکی ہی تفریق ہو پھر آپ فرماتے ہیں کہ قرآن شریف میں انسان کو ظلم پیشہ اور جاہل قرار دیا ہو مگر آپکی نظر وہاں نہ پڑی جہانکہ خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہو کہ الذین ینفقون فی السراء والضراء والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللہ یحب المحسنین پھر آپ فرماتے ہیں کہ قرآن شریف میں آیا ہو کہ انسان ٹوٹے میں ہے مگر ساتھ ہی آپنے یہ نہ دیکھا کہ الا الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر پھر آپ فرماتے ہیں کہ قرآن شریف میں ہے کہ انسان کا دل وسوسہ پیدا کرتا ہے یہ بالکل غلط ہے ثبوت

کہ الیوم یئس الذین کفروا من دینکم۔ اور پھر ایک جماعت کیلئے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ بھی قرآن شریف میں ہے اور پھر شیطان کی نسبت فرماتا ہے کہ ان عبادی لیس لک علیہم سلطان وکفی بربک وکیلا یعنی نفسانیہ وسواس انہی لوگوں کے دلوں میں اُٹھتی ہیں جو گندے اور حق سے دُور ہوں نیک لوگ اس سے بالکل پاک ہوتے ہیں۔ پس اسلام نے ہرگز انسان کو گناہ کا پتلا قرار نہیں دیا بلکہ ایک پاک مخلوق جو کہ جب راہ راست سے پھر جاتی ہے تو ناپاک ہو جاتی ہے اسطرح مسیحی صاحبان کا وہ اعتقاد بھی برباد ہو جاتا ہے کہ گناہ انسان کو ورثہ میں ملا ہے۔

گناہ کی سزا | پھر پادری صاحب کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ چونکہ ہمکو گناہ سے نفرت ہے، اس لئے اسکی سزا ضرور ملنی چاہیئے اور چونکہ سزا نہ دینے سے عدل میں فرق آتا ہے اسلیئے گناہ کی سزا ضرور دینی چاہیئے۔ یاد رہے کہ انسانی فطرت بخشش کو زیادہ چاہتی ہے۔ جیسے کہ ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ بنی نوع انسان ایک دوسرے کے قصوروں کو بخوشی بخش دیتے ہیں اور لاکھوں خطاؤں پر چشم پوشی کر دیتے ہیں پس اگر خدا تعالیٰ ہر ایک ذرہ ذرہ سے گناہ کو پکڑے تو بڑا اعتراض آئیگا کہ بڑا سخت اور ظالم ہے کیونکہ دنیا میں بھی گناہوں پر چشم پوشی نہ کرنیوالے لوگ ظالم ہی سمجھے جاتے ہیں ورنہ کسی کو حد سے زیادہ تکلیف دینے والے لوگ تو کم ہی ہوتے ہیں اور خدا تعالیٰ پر یہ بھی اعتراض آئیگا کہ کیسا سخت گیر ہے کہ عدل کی صفت پر تو چلتا ہے کہ میرے بندوں میں ہے تو مجھ میں کیوں نہ ہو مگر جو رحم اور بخشش کی صفت ہے اس سے بالکل محروم ہے تو ایسا خدا گویا اپنی پیدا کردہ مخلوق تباہ کر کے خوش ہوتا ہے اسلام اس کے برخلاف بتاتا ہے کہ اویوبقھن بما کسبوا ویعف عن کثیر یعنی خدا تعالیٰ چاہے تو گنہگاروں کو ہلاک کر دے مگر وہ اکثر معاف کر دیتا ہے۔

عدل کو ماننے مسیحیت کا خاتمہ | علاوہ ازیں اگر عدل صفت مانا جائیگا تو

تو پھر مسیحیوں کا مذہب برباد ہو جائیگا یعنے یسوع عدل کی مٹی خراب کرتا ہے متی باب ۵ آیت ۳۸
میں ہے کہ "تم سُن چکے ہو کہ کہا گیا آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت پر میں تمہیں کہتا
ہوں کہ ظالم کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اسکے آگے پھیر دے
اور اگر کوئی چاہے کہ تجھ پر نالش کر کے تیری قبا لے کرتے کو بھی اُسے لینے دے اور جو تجھے ایک کوس
بیگار لیجاوے اسکے ساتھ دو کوس چلا جا" اب فرمایئے کہ عدل کہاں رہا توریت نے تو عدل
کی تعلیم دی تھی مگر یسوع نے اسکو ایسا تباہ کیا کہ عدل کا نام و نشان ہی نہ چھوڑا اب بتاؤ
کہ اگر یہ تعلیم اچھی ہے تو بقول آپکے کیا وہ نیکی جو انسان میں ہے وہ خدا میں نہیں اور
اگر بری ہے تو مسیحی مذہب کا تب بھی خاتمہ ہے۔ پس سچی بات وہی ہے کہ جو اسلام

اسلام اصلاح چاہتا ہے

نے بتائی ہے جزا سیئۃ سیئۃ مثلہا فمن عفا و اصلح
فاجرہ علی اللہ انہ لا یحب الظالمین یعنے تکلیف کا بدلہ اتنی ہی تکلیف ہے۔
مگر جو بخش دے اور ایسی بخشش کرے کہ اس سے اصلاح ہو تو اسکو خدا تعالے اعلیٰ
اجر دیگا مگر یہ بھی یاد رہے کہ خدا تعالے ظالمین کو پسند نہیں کرتا یعنے نہ اسکو جس نے ظلم کیا
نہ اسکو جس نے باوجود اسکے کہ رحم میں اصلاح ہوتی تھی رحم نہ کیا اور نہ اسکو کہ جس نے ایسے موقعہ پر رحم
کیا کہ وہ صریح طور سے فساد پیدا کرنیوالا تھا پھر خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولمن صبر و غفر ان
ذٰلک لمن عزم الامور یعنے جو اصلاح کے لئے صبر کرے اور چشم پوشی سے کام
لے اسنے بڑا عظیم الشان کام کیا اس سے پادری صاحب کا پہلا اعتراض بھی اُٹھ جاتا ہے
کہ مخلوق میں عزم نہیں خدا تعالے نے تو عزم پیدا کرنیکی ترکیب بھی بتا دی کہ صبر اور چشم پوشی
سے کام لو تو عزم کی صفت تم میں پیدا ہو جائیگی غرض کہ انسان میں عدل ادنیٰ درجہ کی صفت
ہے اور رحم اس سے اعلیٰ قرآن شریف میں خدا تعالیٰ مالک قرار دیا گیا ہے پس مالک مختار ہے کہ جسکو
چاہے چھوڑ دے ہاں بیگناہ کو وہ نہیں پکڑتا کیونکہ وہ فرماتا ہے کہ ما انا بظلام للعبید یعنے

کیا گورنمنٹ رحم نہیں کرتی ہے

میں اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا اور یہ کہنا کہ گورنمنٹ رحم نہیں کرتی

اسلیئے خدا بھی نہیں کریگا ٹھیک نہیں کیونکہ کسی گورنمنٹ کا کام حجت نہیں ہوسکتا ہم دیکھتے ہیں کہ انسانی فطرت ایسا چاہتی ہے اور بقول آپکے جو نیک صفت ہم میں ہو وہ خداتعالیٰ میں بدرجہ کمال ہونی چاہیئے علاوہ اسکے یہ بات ہے کہ گورنمنٹ کے کام کا اثر ایک ملک پر پڑتا ہے ممکن ہے کہ ذرہ سی غلطی مین کوئی تباہی آجاوے اور دوسرے گورنمنٹ دلونکی واقف نہین کہ یہ شخص سچی توبہ کرتا ہے کہ نہیں تیسرے گورنمنٹ انسانی اجسام اور روح کی مالک نہیں ہوتی کہ سب گناہوں پر چشم پوشی کی اسکو طاقت ہو جیسے کہ اسلام میں ایک قاتل کو گورنمنٹ معاف نہیں کرسکتی ہاں مقتول کے وارث کرسکتے ہیں آخر میں یہ بات عرض کرونگا۔ کہ یہ بھی جھوٹ ہے کہ گورنمنٹ معاف نہیں کرتی گورنمنٹ کرتی ہے اور سینکڑوں کو کرتی ہے کیا آپکو معلوم نہیں کہ ایسے صدہا واقعات ہوئے ہیں کہ اگر ججوں تک معاف نہیں کیا تو صوبہ کے گورنر یا خود وائسرائے نے سزا معاف کردی ہو پھر آپ وہ بات کہتے کیوں ہیں کہ جو اصل مین غلط ہے۔ کیا آپکو معلوم نہیں کہ مسیح نے جیسا کہ مین اوپر لکھ آیا ہون رحم ہی رحم کی تعلیم دی ہے۔ عدل کو برباد کردیا ہے پس اب میں ثابت کرچکا ہوں کہ گناہ معاف ہونے ضروری ہیں اور انسانی فطرت اسکو چاہتی ہے۔ اور جو مذہب اسکے برخلاف کہتا ہے وہ واقعہ وحقیقت سے محجوب ہے غرض کہ گناہ کا معاف ہونا ضروری ہے۔ اور عقل اسی کو چاہتی ہے۔ اسلام نے اسے ایک اعلیٰ پیرایہ میں بیان فرمایا ہے خود مسیح نے اِسے لیا ہے مگر ایک بھدے اور خطرناک رنگ میں

انسان گناہوں سے بچ سکتا ہے

جیسا کہ میں اوپر لکھ چکا ہوں انسان گناہوں سے بچ سکتا ہے اور گناہ معاف ہو سکتے ہیں اور آئندہ کے لیئے جیسے کہ میں لکھ آیا ہوں کامل شریعت کے ذریعہ کامل معرفت حاصل کرکے انسان گناہوں سے بچ سکتا ہے۔ اور جو شریعت انسان کو گناہوں سے بچاتی نہیں وہ ناقص ہے۔ اور کسی کام کی نہیں کیونکہ ہر ایک علم سے ہم فائدہ اٹھاتے ہیں شریعت ہمیں کچھ فائدہ نہیں پہنچاتی پس سچی بات یہی ہے کہ گناہوں سے انسان کامل شریعت کی معرفت سے بچ سکتا ہے۔ اور وہ مذہب جو اسکے برخلاف کہتا ہے۔ وہ الزام سے

بچنے کیلئے کہ میری قلعی نہ کھلجائے ایسا کرتاہے اور انسانوں پر الزام دیتاہے کہ تم ہی گندے ہو ورنہ میں تو پاک ہوں کیا ایک پولیس مین کے سامنے چور چوری کرتاہے ہرگز نہیں کیونکہ وہ جانتاہے کہ مجھے نقصان پہنچیگا نہ اسلئے کہ اسکے لئے کوئی شخص پھانسی پر چڑھ چکا ہے۔ کیا ایک فوج کی موجودگی میں ڈاکو ڈاکہ مارینگے کبھی نہیں نہ کسی کفارہ کیوجہ سے بلکہ اسلئے کہ اُن سے بڑی طاقت وہاں موجود ہے جو انکو سزا دیگی اسی طرح شریعت علاوہ اعمال حسنہ کے بتانیکے خداتعالیٰ کی قدرت اور طاقت اسقدر انسان پر روشن کردیتی ہے کہ وہ گناہ پر قادر ہی نہیں رہتا پس کیا پولیس مین کی آنکھ سے تو چور چوری کو چھوڑ سکتاہے مگر خداتعالیٰ کی آنکھ کا کامل علم رکھتے ہوئے وہ ایسا نہیں کرسکتا پس اصل بات یہی ہے کہ کامل معرفت اس انسان کو گناہ سے بچاتی ہے ورنہ تجسّم کا سب ڈھکوسلاہے اور وہ اسلئے کہ شریعت کے

انسان انسانی نمونہ کا محتاج ہے

عیب نہ کھلجائیں۔ باقی یہ بات کہ انسان کیلئے نمونہ چاہئے بالکل درست ہے مگر وہ آدمی چاہئیے نہ کہ خدا کیا ہمیں معلوم نہیں کہ خدا پاک ہے پھر خدا ہم کو نمونہ کیا دکھائیگا۔ اور کیا جو کام خدا کرسکے وہ بندہ بھی کرسکتاہے اگر خدا نے ایک نمونہ دکھایا تو کیا ہؤا ایک شخص اعتراض کرسکتاہے کہ وہ خدا تھا اسنے وہ کام کرلئے میں بندہ ہوں مجھ سے نہیں ہوسکتے انسان پر حجت انسانی نمونہ کی ہوسکتی ہے نہ کہ خدا کے نمونہ کی خدا کو تو ہم پہلے ہی پاک جانتے ہیں اور اگر کہا جاوے کہ خدا انسانی قالب میں آیا تھا اور انہیں طاقتوں کے ساتھ تو پھر یہ اعتراض ہوگا کہ جب اس میں وہی طاقتیں تہیں جو انسان میں ہوتی ہیں تو پھر اس میں اور انسان میں فرق کیا رہا بجائے اسکے کہ آپ عرش سے تشریف لاتے ہیں سے کوئی بندہ چن لیا جاتا اور اس صورت میں یہودیوں کو اسبات پر فخر کرنیکا موقعہ بھی نہ رہتا کہ ہم وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے خدا کو مارا پیٹا اور سولی پر کھینچ دیا غرض کہ مسیحی جو نجات کیلئے

مسیحیوں سے چار سوال

خدا کے تجسّم اور کفارہ کے قائل ہیں یہ ایک لغو بات ہے چنانچہ میں اس مضمون پر کچھ اور لکھنے سے پہلے مسیحیوں سے کچھ سوال کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ

اوّل۔ سب سے پہلے ثابت کیا جائے کہ خدا تین ہیں کیونکہ جب تک خدا تین ثابت نہ ہو جائیں تو نہ کفارہ رہتا ہے نہ نجات توریت میں تو ہے کہ "ہمارے خدا کا شریک کوئی نہیں" خروج باب ۲۰ آیت ۳۔ یہودی ابتک اسی پر عمل کرتے ہیں الفاظ ان کی تائید کرتے ہیں" دوم۔ اگر تین خدا ہیں تو یسوع ہی وہ تیسرا خدا ہے کیونکہ بیٹے کا لفظ بہتوں پر بولا گیا ہے آدم کو بھی خدا کا بیٹا کہا گیا ہے اور اسکا کوئی باپ بیان نہیں کیا بلکہ ملک صدق تو سارے جہاں اور مسیح سے زیادہ ہیں کیا یسوع اپنے آپکو کہتا ہے مگر اپنے ساتھ حواریوں کو بھی خدا کا بیٹا قرار دیتا ہے بلکہ اپنے آپکو تو ابن آدم ہی کہتا ہے پس یا تو حواری بھی خدائی میں ساتھ شریک ہیں یا مسیح بھی نہیں اور پھر ایک مشکل ہے کہ متی میں یسوع یوسف کا بیٹا قرار دیا گیا ہے۔ جو اور بھی مشکل میں ڈالتا ہے ورنہ یہودی کمبخت بہت کچھ اعتراض کرتے ہیں مگر کچھ بھی ہو۔ اناجیل سے یسوع کی خواہ کسقدر عظمت ہی بیان کیجاوے ملک صدق کے برابر تو وہ ہرگز نہیں پہنچ سکتا کیونکہ جو صفات ملک صدق میں بیان کئے جاتے ہیں وہ ایسے یسوع پر بہت کچھ فضیلت دیتے ہیں اور نہ صرف توریت میں بلکہ زبور میں اور پھر اعمال میں بھی اسکا ذکر کیا ہے چنانچہ پیدائش باب ۱۴ آیت ۱۸ میں ہے کہ ملک صدق کا بادشاہ روٹی اور مے نکال لایا اور وہ خدا تعالیٰ کا کاہن تھا" پھر ابراہیم نے اُسے دہ یکی بھی دی زبور میں داؤد کو مخاطب کرکے کہا گیا ہے کہ "خداوند نے قسم کھائی ہے اور وہ کبھی نہ پچھتائیگا تو ملک صدق سالم کی طرح ابد تک کاہن ہے" پھر عبرانیوں میں پولس رسول مسیح کی نسبت کہتا ہے کہ وہ "خدا کی طرف سے ملک صدق کی مانند سردار کاہن کہلایا" پھر اسی جگہ اسکی نسبت لکھا ہے کہ "وہ پہلے اپنے نام کے موافق راستی کا بادشاہ ہے اور پھر شاہ سالیم یعنے سلامتی کا بادشاہ یہ بے باپ بے ماں بے نسبنامہ جس کے نہ دنوں کا شروع نہ زندگی کا اخیر مگر خدا کے بیٹے سے مشابہ ٹھہرکے ہمیشہ کاہن رہتا ہے" ان عبارات سے تو ملک صدق سالیم کی شان زیادہ معلوم ہوتی ہے

وہ ازلی ابدی ہے۔ اور بے ماں باپ کے ہے حالانکہ یسوع کا باپ اگر یوسف نہیں تو ماں مریم تو ضرور تھی مگر وہ بن باپ بن ماں کے اور پھر ازلی ہمارے خیال میں تو وہ ابنیت کا زیادہ مستحق ہے سوم یہ کہ مسیح خوشی سے مرنا چاہتا تھا کیونکہ انجیل میں ہے کہ "اے میرے باپ اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے گذر جائے تو بھی میری خواہش نہیں بلکہ تیری خواہش کے مطابق ہو" متی باب ۲۶ آیت ۳۹۔ اب اس سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ یسوع کی اپنی مرضی نہ تھی کہ وہ صلیبی موت مرے جس سے معلوم ہوا کہ اس نے کسی کے بدلے میں اپنی جان نہیں دی بلکہ قہر درویش برجان درویش پر عمل کرتے ہوئے مرا دوسرے یہ کہ خدا نے زبردستی اسکو دار پر کھینچوایا کیونکہ وہ کہتا ہے۔ کہ "تیری خواہش کے مطابق ہو" پس اسطرح خدا ظالم ٹھہرا کہ اس طرح بیدردی سے ایک بیگناہ کو اور پھر اپنے بیٹے کو جو اسکی بادشاہت میں اور خدائی میں بھی شریک تھا۔ یوں مروا دیا۔ شاید اس خیال سے کہ ایک شریک تو راستہ سے ہٹے۔ چہارم۔ سوال یہ کہ سب کچھ ہی مانا مگر یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ مسیح واقعی صلیب پر مر گیا تھا کیونکہ انجیل اسکے برخلاف کہتی ہے جیسا کہ میں نے لکھا ہے یعنے حاکم وقت چاہتا تھا کہ وہ بچ جائے پھانسی دینے والا اسکا اپنا مرید تھا۔ قبر سے اٹھنے کے بعد وہ مریدوں پاس گیا وہ ڈرے کہ کہیں بھوت نہ ہو مگر اس نے اپنے زخم انکو دکھائے پھر انکا شک دور کرنیکے لئے انکے ساتھ روٹی کھائی اور لوگوں سے چھپتا پھرا اگر وہ جی اٹھا تھا اور اب پھر خدا ہو گیا تھا تو لوگوں سے اسقدر ڈر کیوں تھا۔

غرض جب تک کہ یہ سوال حل نہ ہو جائیں مسیحی صاحبان کا کوئی حق نہیں کہ وہ نجات کو ثابت کرنے بیٹھیں خیر اب میں اس مضمون پر مسیحی صاحبوں کے جواب دینے کے بغیر ہی کچھ روشنی ڈالتا ہوں۔

مسیح نے کوئی دعوی نہیں کیا یاد رہے کہ ہر ایک بات کو ثابت کرنیکے لئے پہلے دعوی ہوتا ہے پھر دلیل پس لازم تھا کہ یسوع کی ابنیت اور کفارہ کے مسئلہ کو پہلے تو انجیل سے ثابت

کیا جاتے مگر پادری صاحب نے انجیل کی ایک آیت بھی اس بارہ میں نہیں لکھی حالانکہ ان کا فرض تھا کہ وہ پہلے یہ بتلاتے کہ انجیل مین مسیح نے یہ دعوٰے کیا ہے اور انہیں معنون مین کیا ہے کہ جن مین مسیحی صاحبان کرتے ہین ہم تو انجیل میں کہیں یہ دعوٰے نہیں پاتے یسوع بیچارہ تو آپ لوگوں سے ڈرتا ہوا ہمیشہ اپنے آپکو ابن آدم کے لفظ سے پکارتا ہے۔ تاکہ احمق میری پیدائش کو عجیب خیال کر کے کہیں مجھکو کچھہ اور ہی نہ سمجھ لیں مگر مسیحی صاحبان پھر بھی باز نہ آئے پس جبتک ابنیت کا دعوٰے اور دلائل انجیل سے ہی نہ بتلائے جائیں تب تک تو مدعی سست اور گواہ چست والا معاملہ ہے۔ یسوع تو اپنے آپکو ابن آدم قرار دیتا ہے۔ اور مسیحی صاحبان زبردستی اُسے خدا کی ولایت کا خلعت عطا فرماتے ہین گویا کہ خدا کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ ایک متبنٰے بنائے۔ اسی طرح کفارہ

پہلی رات

مصلوب ہونیسے پہلی رات کا حال ہے کہ اس کا بھی کوئی ذکر انجیل میں نہیں۔ مگر مسیحیوں نے من مانے عیش اڑانیکے لیئے اس مسئلہ کو گھڑ لیا ہے کیونکہ جب خدا ہی کسی کا بوجھہ اپنے سر پر اٹھالے تو پھر اُسے کیا پرواہ ادھر مسیحی اس زور سے کفارہ کا اعلان کرتے ہین اور مسیح کو اپنی خوشی سے بنی نوع انسان پر قربان ہونیوالا خیال کرتے ہین ادھر یسوع کو دیکھیں تو وہ صلیب پر چڑھنے سے پہلے دردناک الفاظ مین خدا تعالیٰ سے اپیل کرتا ہے کہ لِلّٰہ اگر کوئی صورت بچانیکی ہو تو اسپر عمل کیجئے کیونکہ یہ گھڑی مجھپر بہت سخت ہے حالانکہ اگر کفارہ کا مسئلہ ہوتا تو یسوع کو چاہئے تھا کہ اُسدن عید مناتا اور ساری رات خوشی اور خورمی میں گزارتا کہ آج وہ مبارک دن آیا ہے کہ جس سے فراق میں گھڑیاں گننی مشکل ہو گئیں تھیں مگر اسکے برخلاف وہ روتا ہے وہ چلاتا ہے۔ وہ آنیوالی مصیبت کے خوف میں کبھی بیٹھتا ہے کبھی کھڑا ہوتا ہے کبھی زمین پر گر کر ذلیل حالت بنا کر خدا کے حضور میں گڑگڑاتا ہے کہ اے باپ جسکے لئے میں نے بہت دُکھ اٹھائے یہانتک کہ مجھہ کسی جگہ پر ٹھیرنا تک مشکل ہو گیا یہ مصیبت مجھسے برداشت نہیں ہو سکتی

اگر ہو سکے تو اسکو ٹالدے تو بھی گھبراہٹ میں اپنے حواریوں میں آتا ہے کہ اٹھو اور تم بھی دعاؤں میں مشغول ہو جاؤ کہ معلوم کہ خدا اسکی سنے اور میں مصیبت سے بچ جاؤں چنانچہ اسی لئے وہ شہر سے باہر ایک خفیہ جگہ میں جا کر بیٹھا رہا کہ کسی طرح یہ وقت گزر جائے پس کیا اس کی بابت وہ کے ظاہر کرنیوالیکو کہا جاسکتا ہے کہ وہ خوشی سے تمام دنیا کے گناہ اپنے کندہے پر اٹھا کر پھانسی پر لٹک گیا پھر یہ نہ بھی ہو تو کیا کبھی ہو سکتا ہے کہ ایک کے سر میں درد ہو تو دوسرا اپنے سر پر پتھر مارے یہ کبھی نہیں ہوتا جو گناہ کرتا ہے وہی پکڑا جاتا ہے ورنہ کفارہ سے تو معلوم ہوا کہ خدا کو سزا دیتے ہوئے مزہ آتا ہے یہ نہ سہی وہ سہی مگر کوئی نہ کوئی ہونا چاہیے کہ جسکو وہ سزا دے ہاں ایک بات اور بھی ہے کہ اگر شیطان کا سر کچلا گیا اور مسیح کفارہ ہوئے تو خود شیطان اور قائن بھی کیوں کفارہ سے مستفید ہوں۔ علاوہ اسکے یسوع کے نزول سے پہلے

انبیاء بائبل کفارہ سے ناواقف تھے

لوگوں کا کیا حال ہوگا وہ بیچارے تو سب جہنمی ہوئے جنمیں کہ موسیٰ اور داؤد بھی شامل ہیں پھر کیا خدا پر الزام نہ آیا کہ اگر بیٹے کو پھانسی دینی ہی تھی تو شروع میں دیتا اور نہ کہ دنیا کے خاتمہ پر اور یہ بھی غلط ہے کہ وہ کفارہ پر ایمان لاتے تھے کیونکہ اول تو توریت میں اسکا کوئی ذکر نہیں دوسرے حضرت یوسف کے ایک قول سے معلوم ہوتا ہے کہ انکو کفارہ پر نہ صرف ایمان ہی نہ تھا بلکہ اسکو ظلم قرار دیتے تھے چنانچہ جب بنیامین کے بورے میں پیالہ نکلا تو یہوداہ نے کہا کہ ہم بھی اپنے آپکو اسکے گناہ میں غلام بنانے ہیں مگر یوسف نے کہا کہ خدا نہ کرے کہ میں ایسا کروں اور جب وہ اسقدر زاری کر رہے تھے تو وہ یوسف کو یسوع کے کفارہ کی یاد دلا کر ایسا کر سکتے تھے کہ اپنے میں سے ایک کو اسکے بدلے میں چھوڑ جائیں اور بنیامین کو لیجائیں علاوہ اسکے کفارہ پر ایک اعتراض بھی پڑتا ہے

یسوع جہنم میں تین دن کیوں رہا

کہ خدا نے لوگوں کو تو گناہوں کے بدلہ میں ابدالاباد کی سزا دی اور اپنے بیٹے کو صرف تین دن سزا دیکر چھوڑ دیا حالانکہ اسکے سر پر سب دنیا کے گناہ تھے اسکے لئے تو کوئی اور بھی سخت دوزخ بنانی چاہیے تھی اور اگر یہ کہا جائے کہ نہیں چونکہ وہ خدا تھا اور غیر محدود تھا اسلیے تین دن کی سزا کافی تھی تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ غیر محدود کی نسبت محدود سے ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ چونکہ وہ غیر محدود تھا تو سزا تو ایک منٹ کیا بلکہ ایک ایسے چھوٹے وقت میں ہونی چاہیے تھی کہ وہ گناہ بھی نہ جاتا اور نہ اگر

تین دنکی سزا مقرر ہوگی تو بندوں میں اور خدا میں ایک نسبت ہوجائیگی اور اسطرح غیر محدود نہ رہیگی بلکہ محدود ہو جائیگا اور اگر کہا جائے کہ تین دن کی سزا علی الحساب دیدگیئی ہے تو خدا اس طرح ظالم بنجاتا ہے۔ کفارہ پر ایک اور بھی اعتراض ہوتا ہے اور وہ یہ کہ جب ایک تین اور تین ایک میں تو جب یسوع تین دن مرا رہا تو ضرور ہے کہ باقی دونوں خدا بھی مرے رہے ہوں کیونکہ ایک تین ہے اور اگر وہ نہ مرے ہوں تو دو خدا باقی رہگئے ہونگے اور اس طرح خداؤں میں جدائی لازمی آئیگی جو کہ تین ایک اور ایک تین کے مسئلہ کے برخلاف ہوگا اور اگر کہا جائے کہ نہیں اصل میں خدا تینوں ہی زندہ رہے تھے وہ ایک اور ہی کارروائی تھی تو پھر بھی کفارہ باطل ہو جاتا ہے اور خدا نعوذ باللہ بہانے باز ٹھہرتا ہے علاوہ ازیں کفارہ کے مسئلہ سے

یسوع عادل نہیں ہے

یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا تو عادل ہے اور یسوع عادل نہیں پس یا خدا ناقص ہوا یا یسوع علاوہ ازیں دونکی مختلف صفات مانکر دو وجود الگ الگ ماننے پڑتے ہیں کہ یہ خدا ہے جو عادل ہے اور یہ یسوع ہے جو محبت ہے سو اسطرح ایک تین اور تین ایک نہیں رہتا اور خداؤں میں فرق لازم آتا ہے۔ علاوہ ازیں کفارہ پر یہ بھی ایک اعتراض ہے کہ اگر کفارہ پر ایمان لانیکے باوجود بھی عمل کی ضرورت ہے تو وہ کفارہ کفارہ ہی نہ رہا کیونکہ اس صورت میں مسیح کی موت سے ہمکو کچھ فائدہ نہ ہوا اور اگر عمل کرنیکی ضرورت نہیں تو کفارہ سے گناہ پھیلینگے نہ کہ رکینگے۔ اور اسطرح کفارہ گناہ پھیلانیوالا ثابت ہوگا اور اگر یہ کہا جائے کہ کفارہ پر ایمان لانے سے گناہ ہوتے ہی نہیں تو یہ بھی غلط کیونکہ جسقدر گناہ یورپ میں ہو رہا ہے اسقدر نہ پہلے ہوا نہ اب غیر قوموں میں ہے کہا جاتا ہے کہ ساٹھ فیصدی حرامی بچے پیدا ہوتے ہیں پھر کفارہ کا کیا اثر۔ پھر یسوع

یسوع کامل نمونہ نہ تھا

کے کفارہ پر ایمان لا کر دنیا نے گناہ سے کیا بچنا ہے جو کچھ انجیل پیش کرتی ہے اس سے تو خود یسوع پر بھی سو سو اعتراض وارد ہوتے ہیں اور وہ قابل تقلید کیا قابل نفرت ٹھیرتا ہے اور اس طرح مسیحیوں کا یہ کہنا بھی کہ دنیا کو نمونہ کی ضرورت ہے اور یسوع نمونہ بنکر آیا غلط ہو جاتا ہے کیونکہ اسکے نمونہ کو دیکھکر تو اور بھی شکوک شروع ہو جاتے ہیں کہ جب خدا خود

گناہوں سے نہیں بچ سکتا تو بندے بیچارے کس حساب میں؟ خود بھی بیچارہ کہتا ہے کہ مجھے نیک مت کہو پس یا تو اس کو جھوٹا قرار دو یا گنہگار دونوں صورتوں میں قابل تقلید نہیں مسیحی صاحبان یہ بھی کہتے ہیں کہ چونکہ گناہ آدم کے ورثہ میں آیا ہے اور یسوع کا باپ نہ تھا اسلئے معلوم ہوا کہ وہ گنہگار نہیں ہو سکتا تھا تو اسکا جواب اول تو یہ ہے کہ یسوع کی لاابوت اسپر خوب روشنی ڈالتی ہے دوسرا سوال یہ ہے کہ آدم میں گناہ کہاں سے آگیا اگر آدم میں پیدا ہو سکتا تھا تو دوسرے آدمیوں میں اسکے پیدا ہونے میں کیا حرج ہے۔ تیسرے یہ کہ اس سے مسیح کی فضیلت نہیں نکلتی بلکہ الٹا نقص نکلتا ہے کیونکہ توریت ہمکو بتاتی ہے کہ اصل گناہ عورت کیطرف سے تھا چنانچہ پیدائش باب ۳ آیت ۱۲ میں ہے کہ آدم نے کہا کہ اس عورت نے جسے تو نے میرے ساتھی کر دیا تھا مجھے اس درخت سے دیا اور میں نے کھایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل گناہ کا منبع عورت تھی تو اس صورت میں مسیح کے بن باپ پیدائش سے تو اور بھی نقص لازم آتا ہے اور وہ بجائے اسکے کہ گناہ سے پاک ٹھہرے اور بھی گناہ میں ملوث ثابت ہوتا ہے کیونکہ آدم کا پاک حصہ اس نے نہ لیا اور خدا کا وارث بنا۔ آخر میں دو قطعی ثبوت پیش کرتا ہوں کہ کفارہ پر ایمان لانیسے کوئی فائدہ نہیں اول تو یہ کہ مسیح نے کہا ہے کہ میں

کفارہ بیفائدہ نکلا

تم سے سچ سچ کہتا ہوں اگر تم یقین کرو اور شک نہ لاؤ تو نہ صرف یہی کرو گے جو انجیر کے درخت پر ہوا بلکہ اگر اس پہاڑ سے کہو گے کہ تو اٹھ اور دریا میں جا گر تو ویسا ہی ہوگا۔ پادری صاحبان کل مسیحی ممالک سے زیادہ نہیں تو ایک آدمی ہی اس قسم کا پیش کر دیں جو اس قسم کا معجزہ دکھلائے ورنہ یا تو کفارہ ہی غلط ثابت ہوا نہیں تو سب کے سب مسیحی صاحبان بے ایمان ثابت ہوئے دوسرا یہ کہ توریت میں ہے کہ آدم کو گناہ کے بدلہ میں خدا نے کہا کہ تو اپنے منہ کے پسینہ سے روٹی کھائیگا اور عورت درد زہ سے بچہ جنیگی پس کفارہ پر ایمان لانیکے بعد تو چاہئے تھا کہ مسیحی صاحبان ان دونوں عذابوں سے بچ جاتے لیکن مشاہدہ تو یہ ثابت نہیں کرتا پس جب کفارہ کا کچھ بھی فائدہ نہیں تو اسکے پیش کرنے سے کیا فائدہ ہم تمام مسیحی دنیا سے پوچھتے ہیں کیا آپ لوگ بے محنت روٹی کھاتے ہیں یا آپکی عورتیں بغیر درد کے بچہ جنتی ہیں اگر ایسا نہیں تو پھر کفارہ نجات کا باعث ہرگز نہیں اور ہرگز نہیں۔ پس اب میں ثابت کر چکا ہوں کہ نجات اعمال سے ہی ہوتی ہے اور اعمال فضل کو حاصل کرتے ہیں اور اعمال کیلئے کامل شریعت کی ضرورت ہے اور جو شریعت انکو اعمال کا سدھارنے والا نہیں مانتی وہ ناقص ہے اور یہ کہ کفارہ کا نجات سے کچھ تعلق نہیں کیونکہ مسیح خوشی سے صلیب پر نہیں چڑھا اور نہ وہ صلیب پر مرا جیسے کہ میں متی کے حوالہ سے بتا آیا ہوں کہ اس کا زندہ رہنا زیادہ یقینی ہے اور یہ کہ نہ صرف کفارہ ایک لغو مسئلہ ہے بلکہ اس کا نتیجہ اب تک عیسائیوں نے کچھ نہیں دیکھا ہم رحم کرکے اپنے سے کمزوروں کے گناہ بخشتے ہیں پس خدا بدرجہ اولیٰ بخشتا ہے۔

واخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین۔

میرزا محمود احمد

رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۶۶

مفت **ماميرا (ممیرا)** مفت

اشتہار نور الابصار

مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

میرے پاس اصلی مامیرا ہے چینی قیمتی فی تولہ عہ اور مامیرا قسم دوم فی تولہ قیمتی صہ ہے اگر کسی صاحب کو کچھ تردد ہو وہ ابھی کچھ نمونہ منگوا کر کسی تجربہ کار کو دکھا کر تسلی کر سکتے ہیں۔ ایک خاص رعایت ہم نے ایک خاص رعایت منظور کی ہے۔ وہ یہ کہ قسم اول کے ایک تولہ کے خریدار کو رسالہ تشحیذ الاذہان ایک سال کے لئے مفت اور قسم دوم کے ایک تولہ کے خریدار کو حضرت مسیح موعود کی تالیفات میں سے کوئی کتاب ۸ قیمتی ہدیۃً دی جاوے گی۔

نوٹ:۔ کتب و زیورات و ظروف و ادویات وغیرہ مناسب اجناس کے تبادلہ میں بھی یہ ممیرا مل سکتا ہے جسکا فیصلہ بذریعہ خط و کتابت ہو سکتا ہے:۔

المشتہر محمد یمین احمدی مقام و ڈاکخانہ مانسہرہ ضلع ہزارہ

کُشتہ

Digitized by Khilafat Library

جریان۔ مقوی باہ۔ نزلہ۔ زکام۔ سوزش کثرت احتلام۔ ان امراض میں یہ کشتہ از حد بلکہ اکسیر ثابت ہوا ہے۔ خدا کے فضل سے آئندہ بھی مفید ثابت ہوگا:۔

جریان کی شناخت:۔ پیشاب کے پہلے یا پیچھے دھات کا نکلنا یہ بیماری چند روز میں آدمی کو مردہ کی مانند بلکہ زندہ درگور کر دیتی ہے اس سے یہ بیماریاں پیدا ہوتی ہیں مالیخولیا نسیان کمی خون دل کا دھڑکنا ضعف دماغ بینائی کا کم ہونا نا امیدی خوف بیخوابی غمگینی وغیرہ + **نزلہ**:۔ گلے یا معدے یا پھیپھڑے پر کسی رطوبت کا گرنا:۔ **زکام**:۔ کسی رطوبت کا ناک سے نکلنا:۔ ان سے جو بیماریاں پیدا ہوتی ہیں یہ ہیں سل مرگی فالج ذات الجنب خونیا جوڑوں کا درد آنکھ کان دانت کی بیماریاں۔

ہم نے ایک کشتہ جو بڑی محنت اور سعی اور بلا آمیزش زہریلے اجزا کے تیار کیا ہے انشاء اللہ بہت مفید و بابرکت ہوگا۔ جو صاحب چاہیں ہم سے منگوا سکتے ہیں بلحاظ فوائد اور محنت کے قیمت بہت کم ہے تاکہ ہر ایک فائدہ اٹھائے قیمت فی تولہ ۸ محصول بذمہ خریدار۔

المشتہر

عبد الرحمن کاغانی احمدی شفاخانہ حکیم نور الدین قادیان ضلع گورداسپور

اسلامیہ سٹیم پریس لاہور میں باہتمام منشی مظفر الدین صاحب چھاپا گیا

ضرورت [illegible] بنام ماسٹر عبد الرحمن صاحب قادیان پنجاب